سید محمد عظیم برخیاؔ المعروف قلندر بابا اولیاء کی رباعیات کا تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ

تحقیقی مقالہ برائے ایم فل (اُردو)

مقالہ نگار

نجمہ شفیق

نگران

پروفیسر ڈاکٹر اظہار اللہ اظہارؔ

شعبہ اُردو

اسلامیہ کالج یونیورسٹی پشاور

سیشن ۲۰۲۰۔۲۰۱۸

انتساب

اپنے روحانی اُستاد
جناب خواجہ شمس الدین عظیمی صاحب کے نام۔۔
جن کی مشفقانہ رہنمائی نے میرے لیے زندگی کے
خارزار راستوں کو آسان کر دیا۔

ے تیری نوازشِ پنہاں کی قدر ہو نہ سکی
میں شرم سار ہوں اپنی ہی نارسائی سے

ڈاکٹر اظہار اللہ اظہار

پروفیسر شعبہ اُردو

اسلامیہ کالج یونیورسٹی پشاور

Cell # 0333-9173323

Office Phone # 0919216515-17 Ext # 3019

"حروفِ استناد"

مقالہ نگار نجمہ شفیق نے راقم السطور کی نگرانی میں اپنے ایم فل کا تحقیقی مقالہ بعنوان

"سید محمد عظیم برخیا المعروف قلندر بابا اولیاء کی رباعیات کا تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ"

بڑی تحقیقی ریاضت کے ساتھ مکمل کیا ہے۔ اور موضوع کو کئی جہتوں سے تحقیقی سطح پر اُجاگر کیا ہے۔ انہوں نے قلندر بابا کی رباعیات کو نہ صرف مؤثر تجزیات سے گزار کر ان کا تعینِ نو کیا ہے بلکہ آنے والی نسلوں کے لیے ایک ادبی سرمایہ بھی متشکل کیا ہے۔ ان کی تحقیق میں گہرائی اور گیرائی دونوں موجود ہیں۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ محققہ اور قلندر بابا کے مابین اس پیرائے میں ایک نہ ٹوٹنے والا ارتباط اور تعلق قائم ہوا۔ جسے ادبی تاریخ کبھی بھی فراموش نہیں کر پائے گی۔

پروفیسر ڈاکٹر اظہار اللہ اظہار

نگران مقالہ

پروفیسر ڈاکٹر تزئین گل

شعبہ اُردو

جناح کالج برائے خواتین، یونیورسٹی آف پشاور

Cell # 0322-9171659

"مقالے کی جانچ رپورٹ"

محترمہ نجمہ شفیق کا تحقیقی مقالہ برائے ایم فل اُردو

"سید محمد عظیم برخیا المعروف قلندر بابا اولیاء کی رباعیات کا تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ"

موصول ہوا یہ مقالہ ڈاکٹر اظہار اللہ اظہار صاحب کی زیرِ نگرانی تکمیل تک پہنچا۔ صاحب مقالہ سلسلہ عظیمیہ کے بزرگ ہیں جن کے جرائد "روحانی ڈائجسٹ" اور "قلندر شعور" اکثر زیرِ مطالعہ رہے۔

سید محمد عظیم برخیا صوفی شاعر ہیں۔ تصوف کا اُردو شاعری سے پرانا تعلق ہے۔ فارسی مثل "تصوف برائے شعر گفتن خوب است" کے مصداق اکثر شعراء نے صوفیانہ مضامین کو اپنی شاعری کا حصہ بنایا ہے۔ لیکن چند شعراء ہی حقیقت میں تصوف سے تعلق رکھتے ہیں۔

مقالہ نگار کے انتساب سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُن کی سید محمد عظیم برخیا سے عقیدت واحترام کا تعلق ہے۔ اسی چیز نے ان کی تحقیق و تجزیہ کو مؤثر بنانے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ اُنہوں نے بہت محنت اور جانفشانی سے قرآن، حدیث، تصوف، رباعی اور شاعر کے درمیان تعلق تشکیل دیا ہے اور اس مقصد کے تحت مواد کو ہفتم ابواب اور پھر ان ابواب کو مزید ذیلی عنوانات میں ترتیب دیا ہے۔ مقالہ کی زبان اور اسلوب سنجیدہ، متین، شستہ اور سلجھا ہوا ہے۔ مقالے میں تحقیق و تجزیے کا معیار خوب ہے۔ یہ مقالہ اُردو ادب میں تصوف کے حوالے سے کی گئی تحقیقات میں ایک اہم اضافہ ہے۔

Tazeen Gul

پروفیسر ڈاکٹر تزئین گل

بیرونی ممتحن مقالہ

فہرستِ ابواب

پیش لفظ

زیرِ نظر مقالے کی تکمیل پر میں ربّ باری تعالیٰ کے حضور سجدہ شکر بجالاتی ہوں کہ اُس نے مجھے اس قابل بنایا کہ میں سید محمد عظیم برخیاؔ المعروف قلندر بابا اولیاءؒ جیسی قدآور صوفی شخصیت کی رباعیات کا تحقیقی اور تجزیاتی مطالعہ پیش کرسکوں۔

اس مقالے کے موضوع کا انتخاب اگر چہ کہ میں کئی سال پہلے کر چکی تھی مگر گھریلو اور پیشہ ورانہ ذمہ داریوں کے باعث اس کا باقاعدہ آغاز نہیں ہو پا رہا تھا۔ اس تناظر میں خاص طور پر میں اپنے روحانی اُستاد محترم جناب خواجہ شمس الدین عظیمی صاحب کی ممنون ہوں کہ اُن کی حوصلہ افزائی اور دُعاؤں کی بدولت میں اس مقالے کو بخیر و خوبی مکمل کر پائی ہوں۔

مقالے پر مزید بات کرنے سے پہلے میں ایک بات کی وضاحت ضروری سمجھتی ہوں کہ صاحبِ مقالہ سید محمد عظیم برخیاؔ چونکہ قلندر بابا اولیاء کے نام سے معروف ہیں اور اُن کی تمام منظوم و منثور تحریریں اسی نام سے موسوم ہیں لہٰذا میں نے بھی اس مقالے میں زیادہ تر قلندر بابا اولیاء نام استعمال کیا ہے۔

اس مقالے "سید محمد عظیم برخیاؔ کی رباعیات کا تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ" کو سات ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔

باب اوّل سید محمد عظیم برخیاؔ کے احوال و آثار پر ہے۔ جس کے فصلِ اوّل میں اُن کے احوال (سوانحی کوائف، سیرت و شخصیت اور روزمرہ زندگی) پر بات کی گئی ہے جبکہ فصلِ دوم میں اُن کے آثار (علمی و ادبی خدمات) کے حوالے سے معلومات فراہم کی ہیں۔

باب دوم "اُردو میں رباعی کی روایت اور ارتقاء" پر ہے۔ جس کے فصلِ اوّل میں (رباعی کے بنیادی مباحث) جبکہ فصل دوم میں (رباعی کے ارتقاء) پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

باب سوم "سید محمد عظیم برخیاؔ کی رباعیات میں تصوّفانہ عناصر" کے نام سے تحریر کیا گیا ہے۔ جس کے فصلِ اوّل میں تصوف کی تعریف، اُس کی مختصر تاریخ، تصوف کی اقسام، سلاسلِ طریقت اور موجودہ دور میں سلسلہ عظیمیہ کے حوالے سے بات کی گئی ہے۔ فصلِ دوم میں اُردو میں صوفیانہ شاعری کو زیرِ بحث لایا گیا ہے جبکہ فصلِ سوم میں سید محمد عظیم برخیاؔ کی رباعیات میں متصوّفانہ عناصر کا جائزہ لیا گیا ہے۔

باب چہارم "سید محمد عظیم برخیاؔ کی رباعیات میں جمالیاتی عناصر" کے عنوان سے اُجاگر کیا گیا ہے۔ اس کے فصلِ اوّل میں مختلف حوالوں سے جمالیات کی تعریف بیان کی گئی ہے۔ جبکہ فصلِ دوم میں رباعیاتِ برخیاؔ میں جمالیاتی عناصر کو نمایاں کیا گیا ہے۔

باب پنجم میں "سید محمد عظیم برخیاؔ کی رباعیات میں متفرق عناصر" کا جائزہ لیا گیا ہے۔

باب ششم " سید محمد عظیم برؔخیا کی شاعری کا اسلوبیاتی اور فنی جائزہ " کے حوالے سے ہے۔ جس کے فصلِ اوّل میں اسلوب کی وضاحت کے ساتھ سید محمد عظیم برؔخیا کے شعری اسلوب پر بات کی گئی ہے جبکہ فصلِ دوم، فصلِ سوم اور فصلِ چہارم میں رباعیاتِ برؔخیا کا مختلف حوالوں سے فنی جائزہ لیا گیا ہے۔

باب ہفتم " حاصلِ تحقیق " ہے اس باب میں گزشتہ تمام ابواب کو مدِ نظر رکھتے ہوئے کچھ نتائج اخذ کیے گئے ہیں اس کے ساتھ ساتھ مقالے کی اہمیت کو بھی واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ کیونکہ اس موضوع کے انتخاب کی بڑی وجہ یہ ہے کہ رباعیاتِ برؔخیا پر اس سے پہلے اس سطح پر کوئی مقالہ تحریر نہیں کیا گیا نہ ہی موضوعاتی اور تکنیکی اعتبار سے اسے برتنے کی کوئی باقاعدہ کاوش کی گئی ہے لہٰذا علم وادب کے فروغ اور فنی لحاظ سے ان رباعیات کی وسیع الجہتی اس بات کی متقاضی تھی کہ اس پر باقاعدہ تحقیق کر کے اسے علم وادب کا حصہ بنایا جائے۔ تا کہ وہ طبقہ جن تک اُن کے افکار وخیالات کی بازگشت ابھی نہیں پہنچی اُن تک بھی یہ ثمرات پہنچ سکیں۔

رباعیاتِ برؔخیا پر میری یہ تحقیق حرفِ آخر نہیں۔ تاہم یہ ایقان ضرور حاصل ہے کہ میری پہلی تحقیقی کاوش آئندہ کے محقّقین کے لیے بنیاد کا کام کرے گی۔ اُمید ہے کہ آنے والے وقتوں میں ان رباعیات کے بہت سے نادر یافت گوشے دریافت کیے جاسکیں گے۔ البتہ قلندر بابا کے ملفوظات، کشف وکرامات، روحانی وطبی علاج وتعویزات کو اُن کے وصائف اور شخصیت سے الگ کر کے آخر میں اس لیے رقم کیا گیا ہے کہ اُن کی زندگی کی روحانیات بھی سامنے آئیں اور دیگر اوصاف کا تسلسل بھی متاثر نہ ہو۔

اس مرحلے پر شعبۂ اُردو اسلامیہ کالج یونیورسٹی کے تمام اساتذہ کرام جناب پروفیسر ڈاکٹر رشید احمد صاحب، پروفیسر ڈاکٹر محمد عباس صاحب، ڈاکٹر جہانزیب شعور صاحب، شعبہ اُردو پشاور یونیورسٹی سے پروفیسر ڈاکٹر میڈم روبینہ شاہین صاحبہ، پروفیسر ڈاکٹر سلمان علی صاحب، پروفیسر ڈاکٹر نذیر تبسّم صاحب اور خاص طور پر اپنے نگران اُستاد جناب پروفیسر ڈاکٹر اظہار اللہ اظہار صاحب کی شکر گزار ہوں جن کی خصوصی توجہ، مفید مشوروں اور رہنمائی کی بدولت یہ مقالہ بروقت مکمل ہوا۔

اس طرح میں اپنے چند قابلِ احترام بزرگوں محترم نیاز احمد عظیمی صاحب، جناب قاضی مقصود احمد عظیمی صاحب، محترم پروفیسر غیور حسین صاحب اور چند ساتھیوں ڈاکٹر یاسر ذیشان عظیمی، اویس عظیمی، فاروق عظیمی، شمع عظیمی، شائستہ عظیمی اور شگفتہ عظیمی کا بھی خصوصی شکریہ ادا کرنا چاہتی ہوں۔ جنہوں نے مقالے کے لیے کتابوں اور مواد کی فراہمی میں میری بہت مدد کی۔

اور سب سے آخر میں میں اپنے شریکِ حیات شفیق احمد اور اپنے بچوں شایان احمد اور ماہین احمد کے بھرپور تعاون اور تحقیق کے لیے پُرسکون ماحول فراہم کرنے پر اُن کی شکر گزار اور اُن کے لیے دُعا گو ہوں۔

مقالہ نگار

نجمہ شفیق

باب اوّل

سید محمد عظیم برخیاؔ (احوال و آثار)

فصل اوّل: سوانحی کوائف (احوال)

(خاندانی پس منظر، شجرہ نسب، ولادت، قلندر بابا اولیاء کا مکمل نام اور اُسکی
وجہ تسمیہ، دنیاوی تعلیم، روحانی تعلیم و تربیت، ذریعہ معاش اور رہائش،
بیعت اور مقامِ ولایت، نسبتِ فیضان، قلندر بابا کی سیرت و شخصیت،
(ظاہری حلیہ، قلندر بابا کی روزمرہ زندگی / نشست و برخاست، اخلاق و اوصاف،
ازدواجی زندگی، دوست احباب، زندگی کے آخری ایاّم، انتقال، سالانہ عُرس)
سلسلہ عظیمیہ کا قیام اور اُس کے اغراض و مقاصد،
کشف و کرامات، قلندر بابا بحیثیتِ روحانی و طبی معالج،
قلندر بابا کے ارشادات و ملفوظات)

فصل دوم: علمی و ادبی خدمات (آثار)

(لوح و قلم، قدرت کی اسپیس، رباعیات،
تذکرہ تاج الدین باباؒ، روحانی ڈائجسٹ، کہانیاں
قلمی نقشے، قرآنی آیات کی روحانی تفسیر)

فصل اوّل سوانحی کوائف (احوال)

خاندانی پس منظر

حسن اُخریٰ سید محمد عظیم برخیاؔ المعروف قلندر بابا اولیاء کا پیدائشی نام محمد عظیم تھا۔آپ نجیب الطرفین سادات میں سے ہیں۔آپ کا خاندانی سلسلہ حضرت امام حسن عسکریؒ سے جاملتا ہے۔ددھیال اور ننھیال دونوں جانب سے آپ کے جدامجد حضرت فیصل مہدی عبداللہ عرب، گیارھویں امام حضرت امام حسن عسکریؒ کی اولاد میں سے تھے۔اسی لیے آپ سید کہلاتے ہیں۔

حضرت فیصل مہدی مدینہ منورہ سے ہندوستان تشریف لاکر مدراس میں مقیم ہوئے۔آپ کے ایک بیٹے حضرت حسین مہدی رُکن الدین پہلے کشمیر اور پھر ہری پور ہزارہ میں سکونت پذیر رہے جب کہ دوسرے صاحبزادے حضرت حسن مہدی جلال الدین کولار (مدراس) کو اپنا مسکن بنایا۔

قلندر بابا اولیاء کی ددھیال حضرت حسین مہدی جبکہ ننھیال حسن مہدی کی اولاد میں سے ہیں۔آپ کی ننھیال میں کئی صاحبِ ولایت بزرگ گزرے ہیں۔آپ کے ننھیالی بزرگوں کی نسبت سے اُن کا شہر "کولار شریف" اور ننھیال کے بزرگ "پیرزادہ کولار شریف" کے نام سے مشہور ہیں۔

حضرت سید قادر صاحب بھی اسی خاندان سے تھے۔آپ فوج میں صوبے دار میجر تھے۔اُن کے ایک ہی بیٹے تھے۔جن کی بیٹی حضرت سیدانی بی اماں اپنے وقت کی صاحبِ ولایت خاتون تھیں۔جبکہ اُن کے صاحبزادے حضرت سید حیدر صاحب فوج میں نائیک تھے۔آپ نے ناگپور میں سکونت اختیار کی۔اُن کی اولاد میں جمال الدین صاحب کے بڑے صاحبزادے بدرالدین صاحب تھے۔جو ہندوستان کے صوبے یوپی کی تحصیل ساگر ڈپو میں صوبے دار تھے۔اُن کی شادی حضرت میراں شاہ کی صاحبزادی حضرت مریم بی صاحبہ سے ہوئی۔جن کے اکلوتے صاحبزادے حضرت سید محمد تاج الدین ہیں جو ہفت اقلیم تاج الاولیا بابا تاج الدین ناگپوری سرکارؒ کے نام سے معروف ہیں اور جن کا مزار ناگپور (ہندوستان) میں ہے۔جبکہ حضرت سید حسن مہدی صدر الدین کے دو صاحبزادوں میں سے حضرت حسن مہدی سراج الدین کی اولاد میں سے محترمہ سعیدہ خاتون جناب قلندر بابا اولیاء کی والدہ ہیں۔

شجرۂ نسب

آپ کا خاندانی سلسلہ اس طرح سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جاملتا ہے

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم

★ امام حسن عسکری (گیارہویں امام)

★ فصیل مہدی عبداللہ عرب

"دادھیال اور ننھیال دونوں جان سے حضور قلندر بابا اولیاءؒ کے جدامجد"

دادھیال کی شاخ:

★ حضرت حسین مہدی رکن الدین

"حضور قلندر باباؒ کے دادھیال"

★ حضرت حسن مہدی جلال الدین

★ حسین مہدی بدرالدین شیر دل

★ والدگرامی حضور قلندر بابا

ننھیال کی شاخ:

★ حسین مہدی جمال الدین

"حضور قلندر باباؒ کے ننھیال"

★ سعدالدین مہدی

سید قادر صاحب

★ سید علی صاحب — ★ سیدانی بی اماں

★ سید حیدر صاحب

★ سید حسن مہدی صدرالدین — ★ جمال الدین

★ حسن مہدی سراج الدین — ★ حسن مہدی ظہورالدین

★ سید مہدی بدرالدین

★ بابا تاج الدین ناگپوریؒ

★ محترمہ سعیدہ والدہ حضور قلندر بابا اولیاءؒ

★ امام سلسلہ عالیہ عظیمیہ حسنِ اُخریٰ سید محمد عظیم برخیاؔ المعروف حضور قلندر بابا اولیاء

ولادت

سید عظیم برخیاؔ بھارت کے صوبہ اُتر پردیش کے ضلع بلند شہر، قصبہ خورجہ محلّہ پیر زادگان میں ۲۹ جولائی ۱۸۹۸ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام شیر دل اور والدہ کا نام سعیدہ خاتون تھا۔

قلندر بابا کا مکمل نام اور اُس کی وجۂ تسمیہ

حسن اُخریٰ سید محمد عظیم برخیاؔ المعروف قلندر بابا اولیاء کے نام میں حسن اُخریٰ آپ کا خطاب ہے جو آپ کو بطریقِ اویسیہ سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہِ اقدس سے عطا ہوا۔ اس نام کی مناسبت قلندر بابا کے ننھیالی جدی نام "حسن مہدی" سے بھی ہے۔

☆ اسی طرح نجیب الطرفین سادات ہونے کی وجہ سے آپ سیّد کہلاتے ہیں۔

☆ محمد عظیم آپ کا پیدائشی نام ہے جو آپ کے والدین نے رکھا۔

☆ شعر و سخن سے دلچسپی کی بناء پر قلندر بابا نے برخیاؔ تخلص اختیار کیا مگر آپ کی بہت سی رباعیات میں آپ کا نام عظیمؔ بھی بطورِ تخلص استعمال ہوا ہے۔

☆ جبکہ قلندر بابا اولیاء آپ کی عرفیت ہے جو آج زبان زدِ خاص و عام ہے اور آپ اسی نام سے معروف ہیں۔

☆ اس کے علاوہ ڈان کے دفتر میں جہاں آپ کام کرتے تھے سب ساتھی "بھیّا" کہہ کر بلاتے تھے۔ آپ کے چھوٹے بھائی آپ کو "بھائی صاحب" کہہ کر بُلاتے تو دیگر افراد نے بھی بھائی صاحب کہنا شروع کر دیا۔ سلسلۂ عظیمیہ کے صاحبِ اختیار بزرگ ڈاکٹر عبدالقادر آپ کو "حضور بھائی صاحب" اور "باوا صاحب" کہہ کر مخاطب کرتے۔ آپ کے نام کے ساتھ حضور کا اضافہ آج تک برقرار ہے۔ خانوادہ سلسلۂ عظیمیہ خواجہ شمس الدین عظیمی صاحب کے بچے اپنے بچپن میں قلندر بابا کو "امّاں" کہہ کر پکارتے تھے۔

دنیاوی تعلیم

قلندر بابا بچپن ہی سے انتہائی ذہین، ملنسار اور اچھے بُرے میں تمیز رکھنے والے تھے آپ نے قرآن پاک اور ابتدائی تعلیم محلے کے مکتب سے حاصل کی۔ اُس کے بعد بلند شہر (یوپی) سے ۱۹۱۲ء میں میٹرک پاس کیا۔ اور مزید تعلیم کے لیے ۱۹۱۳ء میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں داخلہ لے لیا۔

روحانی تعلیم وتربیت

بقول خواجہ شمس الدین عظیمی صاحب کے

"علی گڑھ میں قیام کے دوران آپ کی طبیعت میں درویشی کی طرف میلان بہت زیادہ بڑھ گیا اور وہاں مولانا کابلیؒ کے پاس قبرستان کے حجرے میں زیادہ وقت گزارنے لگے۔ صبح تشریف لے جاتے اور رات گئے واپس آتے"۔ (۲)

اِسی اثناء میں قلندر بابا اپنے نانا بابا تاج الدین ناگپوریؒ کے پاس ناگپور چلے گئے۔ والد صاحب نے تعلیم نا مکمل رہ جانے کے خدشے کے پیشِ نظر سمجھانا چاہا مگر بیٹے کا میلانِ طبع فقر کی طرف مائل دیکھ کر اُنہیں اُن کے حال پر چھوڑ دیا۔ چنانچہ آپ اپنے نانا تاج الدین ناگپوریؒ کے پاس تقریباً نو سال تک قیام پذیر رہے اور یہ تمام عرصہ آپ نے روحانی تعلیم وتربیت کے حصول میں گزارا۔

شادی اور اولاد

۱۹۲۲ء میں اپنی والدہ سعیدہ خاتون کے انتقال کے بعد چھ بہن بھائیوں کی پرورش کی ذمہ داری بھی آپ کو اُٹھانا پڑی۔ ایک بہن کے علاوہ تمام بہن بھائی آپ سے چھوٹے تھے۔ اُن کی تربیت میں دُشواری کے سبب بابا تاج الدینؒ کے مشورے پر اُن کے ایک عقیدت مند کی صاحبزادی محترمہ بلقیس بیگم وفات ۵ فروری ۲۰۰۰ سے ۱۹۲۳ء میں دہلی میں آپ کی شادی سرانجام پائی۔ آپ کے ہاں بارہ (۱۲) بچوں کی ولادت ہوئی جن میں سے سات بچوں کا انتقال اُن کے بچپن ہی میں ہو گیا تھا۔ جب کہ ایک بیٹے آفتاب احمد کا انتقال عین عالم جوانی میں قلندر بابا کی زندگی ہی میں ہو گیا تھا۔ اور باقی بچوں میں شمشاد احمد، رؤف احمد، سلیمہ خاتون اور تسلیمہ خاتون شامل ہیں۔

ذریعہ معاش اور رہائش

"شادی کے بعد حضور بابا صاحب دہلی میں قیام پذیر ہو گئے۔ سلسلہ معاش قائم رکھنے کے لیے مختلف رسائل وجرائد کی صحافت اور شعراء کے دیوانوں کی اصلاح اور تربیت کا کام اپنے لیے منتخب کیا۔ شب میں شعراء ادباء کی محفلیں جمتیں اور دن کے وقت ان کے پاس صوفی منش لوگ آتے اور تصوف پر سیر حاصل گفتگو اور تبصرے ہوتے"۔ (۳)

تقسیم ہند کے بعد قلندر بابا اولیاء اپنے اہلِ خانہ کے ساتھ کراچی شفٹ ہو گئے۔ لی مارکیٹ کراچی کے ایک

محلے میں ایک نہایت پُرانے طرز کا مکان کرائے پر لیا۔اس دوران کوئی مستقل ذریعہ معاش نہ ہونے کے سبب لارنس روڈ کی فٹ پاتھ پر بیٹھ کر بجلی کے فیوز وغیرہ لگایا کرتے تھے۔

کچھ عرصہ بعد آپ نے عثمان آباد شو مارکیٹ کے علاقہ میں مکان خرید کر رہائش اختیار کی ۔۱۹۶۰ء کے عشرے میں کراچی کے علاقے نارتھ ناظم آباد میں حیدری کے مقام پر رہائش پذیر ہوئے اور یہیں آپ کا انتقال بھی ہوا۔

کچھ عرصہ اخبار ڈان کے اُردو ایڈیشن میں سب ایڈیٹر کے عہدے پر کام کیا۔اس کے بعد رسالہ نقاد میں کام کیا۔ کچھ اور رسالوں اور اخبارات میں ادارت اور کالم نگاری کے علاوہ افسانہ نگاری کا کام بھی کرتے رہے۔ روزانہ کے حساب سے ایک معمہ بھی لکھا کرتے تھے۔جس پر انعام مقرر تھا۔

قلندر بابا کے بچپن کے ایک دوست سید نثار علی بخاری کا بیان ہے کہ

> "رسالہ نقاد کے دفتر کے قریب رتن تالاب پر طفیل احمد چغتائی صاحب رہتے تھے۔
> قلندر بابا تقریباً روزانہ شام کو دفتر سے فارغ ہو کر چغتائی صاحب کے پاس تشریف لے جایا کرتے تھے۔ ہفتہ کی شام میرے پاس پیر الٰہی بخش کالونی میں تشریف لاتے اور رات کو وہیں قیام فرما کر اتوار کو اپنے گھر تشریف لے جاتے"۔ (۴)

رتن تالاب ایک طرح سے قلندر بابا کی علمی بیٹھک کی حیثیت رکھتا تھا۔ جہاں اہلِ علم علمی گفتگو کے ذریعے اپنی تشنگی بجھاتے تھے۔روحانیت پر سیر حاصل گفتگو ہوتی۔

بیعت اور مقام ولایت

۱۹۵۶ء میں قلندر بابا نے سلسلہ سہروردیہ کے بزرگ قطب ارشاد حضرت ابوالفیض قلندر علی سہروردیؒ سے کراچی میں بیعت کی درخواست کی۔اُنہوں نے بیعت کرنے کے ساتھ خلافت بھی عطا فرما دی۔اس کے بعد حضرت شیخ نجم الدین کبریٰؒ سے بسلسلہ اویسیہ قلندر بابا کی روحانی تعلیم شروع ہوگئی۔اور بالآخر سیدنا حضورؐ نے علمِ لدنی عطا فرمایا۔قلندر بابا اس روحانی تعلیم وتربیت کے دوران ڈھائی تین گھنٹے سے زیادہ کبھی نہیں سوئے نیند پر اُنہیں پورا غلبہ حاصل تھا۔

جن سلاسلِ روحانی اور روحانی بزرگوں سے بطریقِ اویسیہ فیض حاصل ہوا۔ان کی تفصیل درج ذیل نقشے "نسبت فیضان" میں دی گئی ہے۔

نسبتِ فیضان

مولانا کابلیؒ	--	براہ راست تعلیم دی
تاج الاولیاء بابا تاج الدین ناگپوری سرکارؒ	خانوادہ	براہ راست تعلیم دی
حضرت ابوالفیض قلندرعلی سہروردیؒ	خانوادہ	براہ راست تعلیم دی
حضرت حسن عظمیٰ سراج الدین بندگی شاہؒ	خانوادہ	براہ راست تعلیم دی
حضرت حسن کبریٰ مہدی ظہورالدین عبدالمقتدرؒ	خانوادہ	براہ راست تعلیم دی
حضرت محمد صغریٰ تاج الدینؒ (چراغ الدین)	خانوادہ	براہ راست تعلیم دی
حضرت شیخ بہاالحق الدین زکریا ملتانیؒ	خانوادہ	بطریق اویسیہ تعلیم دی
شیخ الشیوخ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ	خانوادہ	بطریق اویسیہ تعلیم دی
حضرت شرف الدین بوعلی شاہ قلندرؒ	خانوادہ	بطریق اویسیہ تعلیم دی
حضرت نجم الدین کبریٰ شیخ کبیرؒ	امام سلسلہ	بطریق اویسیہ تعلیم دی
حضرت ممشاد دینوریؒ	امام سلسلہ	بطریق اویسیہ تعلیم دی
حضرت ذوالنون مصریؒ	امام سلسلہ	بطریق اویسیہ تعلیم دی
حضرت شیخ غوث اعظم عبدالقادر جیلانیؒ	امام سلسلہ	بطریق اویسیہ تعلیم دی
حضرت شیخ بہاء الحق نقشبندی خواجہ باللہؒ	امام سلسلہ	بطریق اویسیہ تعلیم دی
حضرت ابوالقاہرؒ	امام سلسلہ	بطریق اویسیہ تعلیم دی
حضرت بایزید بسطامیؒ	امام سلسلہ	بطریق اویسیہ تعلیم دی
حضرت امام موسیٰ کاظم رضاؒ	امام سلسلہ	بطریق اویسیہ تعلیم دی
حضرت عبدالقاسم جنیدی بغدادیؒ	امام سلسلہ	بطریق اویسیہ تعلیم دی
باب علم حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ	--	بطریق اویسیہ تعلیم دی
سیدالانبیاء سرور کونین حضرت محمد ﷺ	--	براہ راست تعلیم دی (۵)

قلندر بابا اولیاءؒ کی سیرت و شخصیت

ظاہری حلیہ

" آپ کا قد بہت مناسب، چہرہ پر وقار، چوڑا ماتھا، ابھرے ہوئے ابرو، سر کے بال بہت مناسب، داڑھی گھنی اور چھوٹی، جبکہ سر اور داڑھی کے بال دس پندرہ روز میں ضرور ترشواتے۔ سر کے بال کبھی ایک انچ سے اور داڑھی کے بال نصف انچ سے نہ بڑھائے تھے۔ سر پر نہ کبھی استرا پھروایا اور نہ کبھی زلفیں رکھیں۔ آنکھیں نہ بہت چھوٹی نہ بہت بڑی، گال گوشت سے بھرے ہوئے اور چوڑی ناک، مضبوط کندھے اور بازو ہاتھ اور انگلیوں پر بہت ہی مناسبت سے گوشت کا اُبھار۔ آپ اکثر اوقات قمیض اتار کر رکھتے تھے جس سے اوپری جسم عیاں ہوتا تھا۔ چہرہ، گردن، کندھے، سینہ، کمر غرض کسی بھی حصہ میں کوئی ہڈی نمایاں نہ ہوتی تمام جسم پر گوشت بہت مناسب تھا جس سے آپ کی جسمانی وضع بہت ہی مناسب اور خوبصورت تھی۔ چہرہ دیکھنے سے ایک بہت ہی باوقار سلجھے ہوئے اور صاحب علم ہونے کا عکس دیتا تھا۔ طبیعت میں متانت اور سنجیدگی ایک خاص وقار سے نمایاں تھی دانت بہت ہی چمکدار تھے جیسے موتی"۔ (۶)

قلندر بابا کی روزمرہ زندگی/ نشست و برخاست

روحانی ذمہ داریوں اور مصروفیات کے باعث قلندر بابا گھر کے ایک الگ کمرے میں مقیم تھے۔ آپ زیادہ تر بیدار رہتے اور شور پسند نہ کرتے۔

قلندر بابا کے استعمال کی ہر چیز سلیقے اور قرینے سے اپنی مقرر جگہ پر رکھی رہتی۔ آپ کے سرہانے کوئی نہ کوئی کتاب مطالعے کی غرض سے پڑی ہوتی۔

قلندر بابا ایک نفیس اور عمدہ ذوق رکھتے تھے۔ اُن کا لیٹر پیڈ بہت نفیس کاغذ پر چھپا ہوتا تھا۔ اُن کے پاس شیفرڈ اور پارکر کے قلم ہوا کرتے تھے اور قلم کے رنگ کی مناسبت سے اُس میں روشنائی ہوا کرتی تھی۔

آپ کا لباس عمدہ مگر سادہ ہوتا۔ قمیض کا کالر نہیں ہوتا تھا۔ پاجامہ چوڑے پائنچے کی موری تقریباً 6 اُنگل

ہوتی۔گرمیوں میں صرف قمیض پاجامہ اور سردیوں میں خصوصاً کہیں باہر جاتے ہوئے شیروانی کے ساتھ جناح کیپ استعمال کرتے۔ جُوتے ہمیشہ بھورے رنگ کے پہنتے اور سیاہ رنگ کے جوتے کے استعمال سے گریز کرتے ۔اس حوالے سے آپ کا کہنا تھا کہ

> "جو آفاقی شعاعیں Cosmic Rays دماغ پر وارد ہوتی ہیں۔جسم میں دور کرتے ہوئے پیروں کے راستے زمین میں جذب ہو جاتی ہیں۔لیکن اگر سیاہ رنگ کے جُوتے پہنے جائیں تو سیاہ رنگ اُن کو جذب کر کے زمین تک نہیں جانے دیتا۔جس سے جسم اور ذہن کو نقصان ہوتا ہے"۔ (۷)

قلندر بابا کھانے میں کسی خاص اہتمام کے قائل نہیں تھے۔اُن کی خوراک عموماً سادہ ہوتی ۔البتہ کھانے میں اُنہیں حلیم پسند تھی اور پان کھانے کا شوق رکھتے تھے۔مگر صفائی کا یہ عالم تھا کہ کبھی دانتوں یا لباس پر کوئی داغ دکھائی نہ دیتا۔

قلندر بابا نے کبھی صابن سے ہاتھ نہیں دھوئے۔گرم پانی سے کافی دیر تک ہاتھ دھونے کے بعد تولیے سے صاف کر لیا کرتے تھے۔

اخلاق واوصاف

قلندر بابا کی شخصیت میں بے پناہ سادگی کے ساتھ ایک خاص وقار نمایاں تھا۔پریشانی میں دوسروں کی دل جوئی کرتے اور اُن کے دُکھ کو اپنا دُکھ سمجھ کر بانٹتے تھے۔

بچوں سے خاص طور پر شفقت فرماتے تھے۔دوسروں سے اچھا برتاؤ اور حُسنِ سلوک کی تلقین کرتے۔جھوٹ سے نفرت کرتے۔سچ گوئی کو پسند کرتے۔مقابل کی ذہنی سطح،اُس کی ضرورت اور سمجھ بوجھ کے مطابق گفتگو کرتے۔ وقت کے پابند،ملنسار اور مہمان نواز تھے۔ہر آنے جانے والے کو کچھ نہ کچھ پیش کرتے۔کبھی کوئی مہمان خالی ہاتھ نہ گیا۔

مزاج میں شگفتگی تھی،تہذیب واخلاق کے دائرے میں رہنے والا مزاح پسند کرتے قہقہے لگانے کی بجائے صرف ہنسنے یا مسکرانے پر اکتفا کرتے۔آپ ہمیشہ مختصر بات کرتے آپ کے مزاج میں بہت احتیاط تھی۔جو ذرا اُونچی آواز میں بولتا اُسے تاکید کرتے کہ:

"ارے بھائی آہستہ بولو بلا وجہ کیا بلڈ پریشر ہائی کرنا" اگر جواب میں کہا جاتا
کہ "بھائی صاحب عادت بن گئی ہے "تو آپ فرماتے" کیا عادت بن گئی
ہے بنالی ہے صحیح کرلو کیا فائدہ اتنی زور سے کیوں بولتے ہو"۔ (۸)

آپ فطرتاً ذہین، حلیم الطبع، مخلص، وسیع المعلومات، خلیق، سخن سنج وبذلہ سنج تھے۔آپ اپنے حلقۂ احباب میں بہت مقبول اور ہر دل عزیز تھے۔ جہاں جاتے آپ کی بات نہایت توجہ اور غور سے سنی جاتی۔

ازدواجی زندگی

چھوٹے موٹے اختلافات جو ہر گھر کا حصہ ہوتے ہیں کے علاوہ مجموعی طور پر قلندر بابا کی ازدواجی زندگی پُرسکون تھی۔ ایسا کوئی ثبوت نہیں مل سکا کہ اُنہوں نے اپنی اہلیہ پر کوئی بے جا سختی کی ہو یا کوئی ایسی پابندیاں عائد کی ہوں جن کی شریعت اجازت نہیں دیتی جتنا بھی وہ ایک دوسرے کے مونس وغم خوار رہے آپ کی اہلیہ اور بچے آپ کے مزاج آشنا تھے۔آپ اپنی روحانی مصروفیات اور ذمہ داریوں کی وجہ سے گھر میں الگ کمرے میں رہائش پذیر تھے۔آپ کی اہلیہ بلقیس بیگم قلندر بابا کے ملنے جُلنے والوں کی پوری خوش دلی سے خدمت کرتیں اُن کے لیے چائے پانی اور کھانے کا اہتمام کرتیں۔

بقول رؤف احمد عظیمی فرزند قلندر بابا اولیاء کے:

"ہماری امّاں پورے سلسلہ عظیمیہ اور ملنے ملانے والوں کی "امّاں جی"
تھیں۔ چھوٹے بڑے سب کے ساتھ بُہت شفقت سے پیش آتیں۔
مہمان داری میں کوئی کسر نہ اُٹھا رکھتیں۔ بابا کی مصروفیات کا خیال رکھتے
ہوئے گھر کے زیادہ تر معاملات کی خود ہی دیکھ بھال کرتیں۔ وہ سراپا ایثار تھیں"۔ (۹)

قلندر بابا اپنے شاگردِ خاص خواجہ شمس الدین عظیمی صاحب کی روحانی تربیت کے پیشِ نظر سولہ سال اُن کے گھر واقع نارتھ ناظم آباد (کراچی) میں مقیم رہے۔ ہفتے کی شام اپنے گھر واقع حیدری (کراچی) تشریف لے جاتے۔

"ایک دفعہ زوجہ محترمہ حضور قلندر بابا اولیاء نے آپ سے عرض کیا۔آپ اپنے
گھر میں کیوں نہیں رہتے۔ تو قلندر بابا نے فرمایا، فقیر کو جہاں کا حکم ہوتا

ہے فقیر وہاں رہتا ہے"۔ (۱۰)

دوست احباب

قلندر بابا کے حلقۂ احباب میں ہر طرح کے پڑھے لکھے لوگ شامل تھے۔انجینئر، ڈاکٹر، اساتذہ، طالب علم، صنعت کار، سرکاری افسران اُن کی ادبی محافل میں شریک ہوتے۔

آپ سب سے بہُت اخلاص اور محبت سے پیش آتے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ سب میں بے حد ہر دل عزیز اور مقبول تھے آپ سنجیدہ مزاج ہونے کے ساتھ ساتھ پُر مزاح تھے۔آپ عموماً اپنے دوستوں کو بھائی کہہ کے مخاطب کرتے۔

قلندر بابا کے حلقۂ احباب کے حوالے سے آپ کے دوست نثار علی بخاری صاحب لکھتے ہیں کہ:

"یوُں تو قلندر بابا کے دوستوں اور احترام کرنے والوں کا دائرہ بہُت وسیع تھا۔
خادم کے سوا آپ کے مخصوص احباب جناب سید رحیم اللہ قابل صاحب گلاوٹھی،
شفیق احمد صاحب، محمد مبین صاحب برنی، منشی عبدالقدیر صاحب شوخ برنی،
ماسٹر سید فضل الرحمٰن صاحب فضل برنی، حبیب اللہ صاحب حبیب برنی،
سید حامد علی سبزواری، قاضی حافظ الدین صاحب، نشتر سکندر آبادی اور
عبدالمجید صاحب بے خبر سکندر آبادی قابلِ ذکر ہیں"۔ (۱۱)

زندگی کے آخری ایّام

۱۹۷۷ء کے اوائل ہی میں ناسازیٔ طبع کی شکایت رہنے لگی حلق کے کینسر کے سبب بیماری میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔علاج معالجہ سے بھی کوئی فرق نہ پڑا۔۱۹۷۸ء میں بیماری اس قدر بڑھ گئی کہ شدید کمزوری کے باعث بستر کے ہو کے رہ گئے۔معمولی ملنے جلنے سے بھی تکلیف ہوتی۔کھانا پینا برائے نام رہ گیا۔وفات سے آٹھ ماہ پہلے تک چوبیس گھنٹے میں صرف ایک پیالہ دودھ آپ کی خوراک رہ گئی اور تین دن پہلے تو کھانا پینا بالکل چھوڑ دیا تھا۔

انتقال

بالآخر ۲۷ جنوری ۱۹۷۹ء بمطابق ۲۷ صفر ۱۳۹۹ ہجری کو شدید علالت کے باعث اس دارِ فانی سے کوچ کر

کے اپنے خالقِ حقیقی سے جاملے۔ (اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ)

آپ کے وصال کی خبر روزنامہ جنگ، روزنامہ جسارت اور روزنامہ ملت گجراتی (کراچی) نے نمایاں طور پر شائع کی۔آپ کی وصیت کے مطابق آپ کو عظیمیہ ٹرسٹ فاؤنڈیشن کے شمالی حصہ (نارتھ کراچی، شادمان) میں سپردخاک کردیا گیا۔

سالانہ عُرس

قلندر بابا اولیاء کا یومِ وصال چونکہ شمسی وقمری دونوں لحاظ سے ۲۷ تاریخ ہی کو ہے۔لہٰذا اسی مناسبت سے ہر انگریزی مہینے کی ۲۷ تاریخ کو اُن کے عقیدت منداور چاہنے والے آپ کے لیے خصوصی فاتحہ اور دُعا کا اہتمام کرتے ہیں۔یہ دن قلندر بابا کی ستائیسویں کے نام سے منایا جاتا ہے۔

جبکہ سالانہ عُرس کی تقریب ہر سال ۲۷ جنوری کو سرجانی ٹاؤن کراچی میں منعقد ہوتی ہے۔عُرس سے ایک دن پہلے ۲۶ جنوری کو ایک روزہ بین الاقوامی روحانی ورکشاپ کا اہتمام کیا جاتا ہے۔جس میں ملک کے مختلف شہروں کے علاوہ دُنیا بھر کے مختلف ملکوں سے بھی مندوبین شرکت کرتے ہیں۔اسی طرح ۲۷ جنوری کو عُرس والے دن قلندر بابا کے مزار پر زائرین کپڑے اور پھولوں کی چادریں چڑھاتے ہیں اور قرآن خوانی، میلاد، ذکر اذکار اور مراقبہ کے علاوہ عشاء کے بعد خانوادہ سلسلۂ عظیمیہ خواجہ شمس الدین عظیمی صاحب کا خصوصی خطاب بھی ہوتا ہے۔ جس میں وہ نہ صرف حاضرین کو اسلام کے باطنی رُخ سے روشناس کرواتے ہیں بلکہ عرفانِ الٰہی کے حُصول کے لیے عرفانِ نفس کی اہمیت پر زور دیتے ہیں۔

سلسلہ عظیمیہ کا قیام اوراس کے اغراض ومقاصد

سید محمد عظیم برخیاؔ کے نام سے منسوب روحانی سلسلہ عظیمیہ کی بنیاد جولائی ۱۹۶۰ء میں رکھی گئی۔سلسلہ عظیمیہ جذب وسلوک دونوں روحانی شعبوں پر محیط ہے۔اس سلسلے کی خاص بات یہ ہے کہ اس میں روایتی پیری مریدی نہیں ہے نہ ہی کوئی مخصوص لباس اور کوئی خاص وضع قطع ہے البتہ اس میں جدید علوم کی اہمیت کو واضح کرتے ہوئے اس کے سیکھنے پر خاص زور دیا جاتا ہے۔

بانی سلسلہ عظیمیہ قلندر بابا اولیاء اکیس سلاسِت طریقت کے مربی ومشفق جبکہ درج ذیل گیارہ روحانی سلاسلِ

عالیہ کے خانوادہ ہیں۔(خانوادہ سے مراد شیخ یا صاحب ولایت جسے امامِ سلسلہ نے اپنا ذہن منتقل کیا ہو)۔

روحانی سلاسل	آئمہ سلاسل
۱) قلندریہ	حضرت ذوالنون مصریؒ
۲) نوریہ	حضرت امام موسیٰ کاظم رضاؒ
۳) چشتیہ	حضرت ممشاد دینوریؒ
۴) نقشبندیہ	حضرت شیخ بہاؤالحق نقشبند خواجہ باقی باللہؒ
۵) سہروردیہ	حضرت ابوالقاہرؒ
۶) قادریہ	حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ
۷) طیفوریہ	حضرت بایزید بسطامیؒ
۸) جنیدیہ	حضرت ابوالقاسم جنید بغدادیؒ
۹) ملامتیہ	حضرت ذوالنون مصریؒ
۱۰) فردوسیہ	حضرت نجم الدین کُبریٰؒ
۱۱) تاجیہ	حضرت محمد صغریٰ تاج الدینؒ (۱۲)

سلسلہ عظیمیہ کے قیام کے اغراض و مقاصد درج ذیل ہیں۔

۱) صراط المستقیم پر گامزن ہو کر دین کی خدمت کرنا۔

۲) رسول اللہؐ کی تعلیمات پر صدقِ دل سے عمل کر کے آپؐ کے روحانی مشن کو فروغ دینا۔

۳) مخلوقِ خُدا کی خدمت کرنا۔

۴) علمِ دین کے ساتھ ساتھ لوگوں کو روحانی اور سائنسی علوم حاصل کرنے کی ترغیب دینا۔

۵) لوگوں کے اندر ایسی طرزِ فکر پیدا کرنا جس کے ذریعے وہ اپنی روح اور اپنے اندر روحانی صلاحیتوں سے باخبر ہو جائیں۔

۶) تمام نوعِ انسانی کو اپنی برادری سمجھنا۔ بلاتفریقِ مذہب و ملت ہر شخص کے ساتھ خوش اخلاقی سے پیش آنا اور

حتی المقدوران کے ساتھ ہمدردی کرنا۔ (۱۳)

کشف وکرامات

فیروزاللغات کے مطابق خرقِ عادت سے مراد ہے عادت اورقانونِ قدرت کے خلاف انوکھی بات۔ ایسی خرقِ عادات جب انبیاء کرام سے صادر ہوں تو معجزہ اور اگر کسی ولی اللہ سے ظاہر ہوں تو کرامت کہلاتی ہے۔قلندر بابا اولیاءاس حوالے سے کہتے ہیں کہ۔

"خرقِ عادت یا کرامت کاظہورکوئی اچھنبے کی بات نہیں ہے جب کسی بندہ
کاشعوری نظام لاشعوری نظام سے خوداختیاری طور پرمغلوب ہوجا تا ہےتو
اُس سے ایسی باتیں سرزدہونے لگتی ہیں جوعام طور پر دیکھنے میں نہیں آتیں"۔ (۱۴)

قلندر بابا اولیاءاپنے وقت کے ولی اللہ تھے۔اگر چہ کہ اُن کے مزاج میں بہت احتیاط تھی اوروہ کرامات کے اظہار سے عموماً گریز کیا کرتے تھے۔پھر بھی مختلف اوقات میں آپ سے کرامات ظہور میں آتی رہیں جن میں سے دو یہاں درج کی جارہی ہیں۔

۱) حضرت قلندر بابا اولیاء کی خدمت میں ایک لڑکی کو پیش کیا گیا۔
جو پیدائشی طور پر گونگی اور بہری تھی۔آپ نے اُس لڑکی کومخاطب کر کے فرمایا
" تیرانام کیاہے"؟ ظاہر ہے گونگی لڑکی کیا جواب دیتی خاموش رہی دوسری
دفعہ بھی پوچھنے پر جب اُس نے کوئی جواب نہ دیا تو اُنہیں جلال آ گیا اورسخت
غصہ کے عالم میں مارنے کے سے انداز میں ہاتھ اُٹھایا اوراُس کا نام پوچھا
تو اُس گونگی لڑکی نے بولنا شروع کردیا۔ (۱۵)

۲) حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی صاحب بتاتے ہیں کہ "ایک بار
برسات کے موسم میں تخلیقی فارمولوں پر گفتگو ہورہی تھی۔دورانِ گفتگو سچے
موتیوں کا تذکرہ آ گیا۔تو میں نے عرض کیا" حضور! بارش کا ایک قطرہ
جب سیپ کے پیٹ میں نشوونما پاتا ہےتو موتی بن جاتا ہے"۔یہ عرض
کرنے کے بعد میں باہر نکلا اورایک کٹورے میں بارش کا پانی جمع کر کے
لے آیا۔قلندر بابا نے ڈراپر سے بارش کا پانی اٹھایا اوراُس کے اوپر اپنی

نگاہ مرکوز کردی۔ اب ڈراپر میں سے جتنے قطرے گرے وہ سب سچے
موتی تھے۔ میں نے اُن موتیوں کو سرمے کے ساتھ پیس لیا۔ جتنے لوگوں
نے بھی یہ سُرمہ استعمال کیا۔ ان کی نظر کو نا قابلِ بیان فائدہ پہنچا"۔ (۱۶)

قلندر بابا اولیاء بحیثیتِ روحانی وطبی معالج

قلندر بابا اولیاء نہ صرف ایک روحانی معالج تھے بلکہ وہ ایک طبی معالج بھی تھے۔ آپ قدرتی طریقۂ علاج سے بخوبی واقف تھے۔ آپ نے روزمرہ کے مختلف امراض کے لیے بہت سے کارآمد نسخے تجویز کیے۔ جن سے نہ صرف اُس وقت عوام الناس نے استفادہ کیا۔ بلکہ آج بھی قابلِ عمل اور فائدہ مند ہیں۔

روحانی معالج

قلندر بابا چونکہ ایک روحانی بزرگ تھے اس لیے آپ کے پاس بہت لوگ مختلف بیماریوں اور پریشانیوں کے روحانی علاج اور مشوروں کے لیے آتے۔ قلندر بابا کے چند روحانی نسخے و نقش ذیل میں دیے جا رہے ہیں۔

۱) نظرِ بد سے بچاؤ

نظرِ بد اور اُس کے بُرے اثرات سے سب ہی واقف ہیں۔ اس حوالے سے قلندر بابا نے بتایا کہ جسے نظر لگ جائے وہ حسبِ ذیل تعویز لکھ کر اُسے موم جامہ میں لپیٹ کر گلے میں پہن لیں۔

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

.... (۱۷)

۲) رزق میں برکت

بے شک اللہ تعالیٰ ہی رازق ہے۔ رزق میں برکت اور کشادگی کے حصول کے لیے قلندر بابا نے درج ذیل روحانی علاج تجویز کیا۔ اس نقش کو بھی موم جامہ میں لپیٹ کر گلے یا بازو میں باندھ لیں (اسے ابرق پر لکھیں تو زیادہ بہتر ہوگا)۔

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

o o o o o

o o o o o

o o o o o

ح ع ص ق ی س

ح ع ص ق ی س (۱۸)

۳) ہائی بلڈ پریشر

ہائی بلڈ پریشر رہنے کی صورت میں درج ذیل نقش مرد حضرات اپنے بازو پر باندھیں جبکہ خواتین اسے اپنے گلے میں پہنیں۔ انشاءاللہ جلد افاقہ ہوگا۔

۷	۷	۷	۷
۷	۹	۹	۹
۱۱	۱۱	۱۱	۱۱
۹	۷	۷	۷

(۱۹)

۴) خوبصورت اور گھنے بال

قلندر بابا گرتے بالوں کو روکنے اور انہیں خوبصورت اور گھنا بنانے کے لیے درج ذیل نقش لکھ کر بازو پر باندھنے کی ہدایت کرتے تھے۔

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

ص الا فی البردی والقصب

ح م ص و ح الکریم العاص

و المفانات الفام۹۹۹۹۹۹۹۹۹۹ (۲۰)

طبی معالج

مختلف امراض و مسائل کا روحانی علاج تجویز کرنے کے ساتھ ساتھ قلندر بابا طبی علاج بھی تجویز کرتے تھے۔اس حوالے سے چند آسان نسخے ذیل میں دیے جا رہے ہیں۔

۱) دانت کا درد

ایک چھٹانک لوبان، ایک چھٹانک سفید گول مرچ اور تین گرام پھٹکڑی پیس کر منجن بنا لیں اور دن میں دو بار اس سے دانت صاف کریں۔

۲) ہائی بلڈ پریشر

بغیر دودھ کی کالی چائے میں آدھے لیموں کا رس ہائی بلڈ پریشر کو کم کرنے میں انتہائی مددگار ثابت ہوتا ہے۔

۳) موٹاپا ختم کرنا

موٹاپا اور خاص طور پر بڑھا ہوا پیٹ کم کرنے کے لیے ایک چمچہ شہد گرم پانی میں ملا کر پیئیں۔ یہ علاج کم از کم تین ہفتے تک کرنا ہوگا۔

۴) پتّے کی پتھری

اچھی قسم کے سیب زیادہ کھائیں اور ہر کھانے کے ساتھ دس گرام پنیر پتّے کی پتھری کو زائل کر دیتا ہے۔

۵) قد لمبا کرنا

چھوٹا قد لمبا کرنے کے لیے کسی حکیم یا عطّار سے گھیگوار کا حلوہ بنوا کر ایک سال تک کھائیں۔

۶) بال سیاہ کرنا

رائی، میتھی اور السی کے بیج ہم وزن لے کر کُوٹ اور چھان کر سفوف بنا لیں ہر کھانے کے آدھے گھنٹے بعد استعمال کریں۔تقریباً چھے ماہ تک اس کا استعمال ہونا چاہیے۔

۷) گھنٹیا (جوڑوں کا درد)

۲۵ گرام سونٹھ پیس کر اُس کا سفوف بنا لیں اُس میں حسب ذائقہ شکر اور خالص گھی ملا کر رات سوتے وقت

ایک چائے کا چمچ استعمال کریں۔

ارشاداتِ قلندر بابا اولیاء (ملفوظات)

قلندر بابا اولیاء کے ارشادات وملفوظات جنہیں اُن کے شاگردِ خاص حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی صاحب نے اُن کی صحبت میں گزارے سولہ سالوں میں جمع کیا۔ اُن میں سے چند ایک پیشِ خدمت ہیں جن سے ہمیں قلندر بابا کے علم وفضل اور فکر وفہم کو سمجھنے میں مدد ملے گی۔

۱) خدمتِ خلق سے خُدا ملتا ہے۔

۲) گوشت پوست کا جسم روح کا لباس ہے۔

۳) خوشی اُسی وقت حاصل ہوسکتی ہے جب آدمی ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے۔

۴) اتحاد ویگانگت ماضی کو پُروقار، حال کو مسرور اور مستقبل کو روشن اور تابناک بناتی ہے۔

۵) ذہن کا اللہ تعالیٰ کی طرف ہونا روح کا وظیفہ ہے اور اعضاء کا حرکت میں رہنا جسم کا وظیفہ ہے۔

۶) زکواۃ کے پروگرام کا منشاء مخلصانہ اور بے لوث خدمتِ خلق ہے۔

۷) انسان صرف نیت کے خدوخال کا نام ہے باقی تمام حرکات روشنیاں ہیں اور روشنیوں کا عمل حرکت ہے۔

۸) اُس وقت تک کسی کو اپنے نفس کا عرفان نصیب نہیں ہوگا۔ جب تک وہ اپنی انا اور اپنی ذات کی نفی نہیں کر دیتا۔ بندہ جب اپنے شعوری علم کی نفی کر دیتا ہے اُس پر لاشعوری علوم کا دروازہ کھل جاتا ہے۔

۹) جب کوئی معاشرہ وحی والہام کی رہنمائی سے دور ہو جاتا ہے تو وہ اشرف المخلوقات کے درجے سے گر جاتا ہے۔

۱۰) معاشرے میں سکون برقرار رکھنے کے لیے دوسروں کی غلطیاں معاف کر دینی چاہییں۔ دوسرے کے عیوب پر پردہ ڈال دینا چاہیے۔ (۲۱)

فصل دوم

علمی وادبی خدمات (آثار)

قلندر بابا اولیاء چونکہ ایک روحانی شخصیت تھے اس لیے اُن کا جس قدر بھی تحریری سرمایہ موجود ہے وہ سائنسی اور علمی موضوعات کے ساتھ ساتھ روحانی اسرار و رموز لیے ہوئے ہے۔ علم و آگہی سے بھر پور اُن کی چار باقاعدہ کتابوں کے علاوہ اُن کی سرپرستی میں جاری کردہ رسالہ روحانی ڈائجسٹ، قلمی نقشے، مختلف کہانیاں اور آیاتِ قرآنی کی روحانی تفسیر بھی ملتی ہے۔ جو آپ کی روحانی اولاد اور عوام الناس کے لیے رہنمائی کا ذریعہ ہیں۔

۱) لوح وقلم

مکتبہ تاج الدین بابا اولیاء (کراچی) سے پہلی بار ۱۹۵۹ء میں شائع شدہ روحانی و کائناتی اسرار و رموز سے بھر پور یہ کتاب صاحبانِ تصوف اور روحانیت سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے علم و عرفان کا ایک خزانہ ہے جسے قلندر بابا نے بہت عام فہم زبان میں پیش کیا ہے۔

قلندر بابا کی یہ تصنیف "لوح وقلم" قرآن پاک کے اجمالی بیان کی تفصیل ہے۔ اس کتاب میں تسخیر کائنات اور کائنات کی ساخت میں کام کرنے والے اُن فارمولوں اور قوانین کی تشریح کی گئی ہے جو مضامین کے لحاظ سے قرآن کے تیسرے حصے "معاد" کے ضمن میں بیان کئے گئے ہیں۔ یہ وہی علوم و معارف ہیں جنہیں قرآن پاک میں علم الاسماء کہا گیا ہے۔

اب تک روحانیت اور تصوف کے موضوع پر جتنی بھی کتب لکھی گئی ہیں اُن میں تسخیر کائنات سے متعلق قوانین اور فارمولوں پر بات کرنے سے عموماً گریز کیا جاتا رہا ہے۔ ایک ضرورت کے تحت علم مخفی یا علم سینہ کہلانے والے ان علوم کو قلندر بابا نے نہایت آسان اور عام فہم زبان میں اپنے شاگردِ خاص خواجہ شمس الدین عظیمی صاحب کو لکھوایا۔

کائنات کے تخلیقی مراحل کو سمجھانے کے لیے کتاب میں جابجا نقشوں اور خاکوں سے مدد لی گئی ہے۔ الہامی طرزوں پر قائم اس تحریر میں بلا کا جلال اور جمال ہے۔ یہ کتاب مختلف اوقات میں ماہنامہ روحانی ڈائجسٹ کراچی میں قسط وار شائع ہوتی رہی ہے۔

۲) قدرت کی اسپیس

انرسرکلز پبلی کیشنز (کراچی) سے شائع ہونے والی یہ کتاب قلندر بابا کی زندگی ہی میں پہلی بار گجراتی زبان میں شائع ہوئی پھر قلندر بابا کے وصال کے بعد ۱۹۹۲ء میں اُردو زبان میں شائع ہوئی۔ جیسا کہ اس کتاب کے عنوان سے ظاہر ہے کہ اس کا موضوع ٹائم اینڈ اسپیس ہے۔ یہ قلندر بابا کی ایسی تصنیف ہے جس میں اُنہوں نے سائنسی نقطہ نظر سے کائنات کی حقیقتوں اور اُس کے فارمولوں کے ریکارڈ کو زیرِ بحث لاتے ہوئے اُن پر سے پردہ ہٹایا ہے۔ اس میں سائنس اور روحانیت کے مابین گہرے تعلق اور ایک دوسرے کے ارتقاء میں تعاون کی بات کہی گئی ہیں۔ کائنات کی تخلیق میں بنیادی عنصر کاربن، اُس کی جالی پرزم، اسپیس کی تخلیق اور اُس کی وسعت کو زیرِ بحث لایا گیا ہے۔ یہ وہ موضوع ہے جس پر اِس سے پہلے کبھی کسی نے بات نہیں کی۔ صاحبِ کتاب کے بقول:

> "ایک بالکل نئے اور انجانے مضمون پر چھوٹی سی یہ کتاب ایسی ہے جیسے پانی میں پھینکا ہوا ایک کنکر، لیکن جب اس سے اُٹھنے والی موجیں کنارے تک پہنچیں گی تو کسی عالم، سائنسدان یا مضمون نگار کے دل میں موجیں پیدا کریں گی اور پھر اس کتاب کا گہرا مطالعہ ہوگا"۔ (۲۲)

۳) رباعیات

قلندر بابا اولیاء نے مختلف اصناف سخن میں طبع آزمائی کی۔

> "ایک زمانے میں کراچی سے ایک روزنامہ "اُردو ڈان" نکلا کرتا تھا۔ وقتاً فوقتاً بابا صاحب کی نظمیں، غزلیں اور قطعات اس میں شائع ہوا کرتے تھے۔ رسالہ "نقاد" میں بھی بابا صاحب کام کر چکے ہیں۔ شعر وشاعری کا یہ دور کئی برسوں پر محیط ہے۔ 1955ء کے بعد اُن کی تمام تر توجہ تصوف کی طرف منعطف ہوگئی اور شعر وشاعری کا بیشتر سلسلہ منقطع ہوگیا۔ اُس دور سے متعلق بابا صاحب کا زیادہ تر کلام ضائع ہو چکا ہے۔ موجودہ کلام صرف رباعیات پر مشتمل ہے جن کی حفاظت خود بابا صاحب نے کی"۔ (۲۳)

مکتبہ عظیمیہ اُردو بازار (لاہور) سے ۱۹۹۵ء میں شائع ہونے والی یہ کتاب علم وعرفان کا سمندر ہے۔ اس

کے موضوعات تنوع لیے ہوئے ہیں۔اس میں روحانیت کے اسرار ورموز اورقوانین قدرت کے بیان کے ساتھ کئی جگہ فرمانِ الٰہی اور فرمانِ رسولؐ کو رباعی کے قالب میں ڈھال کر تصوف کے مختلف پہلوؤں کو اُجاگر کیا ہے۔کہیں بنی نوع انسان کی فطرت اور حقیقی طرزِ فکر کو اُجاگر کیا گیا ہے۔تو کہیں فلسفہ فنا و بقا کا ذکر ہے۔کہیں پروردگار کی شان وعظمت بیان ہوئی ہے تو کہیں کہکشانی نظام اور سیاروں پر غور وفکر کی دعوت دی گئی ہے۔

قلندر بابا کے بچپن کے ساتھی سید نثار علی بخاری صاحب لکھتے ہیں کہ

" کہ آپ اُردو اور فارسی زبانوں میں اعلیٰ معیار کے شعر فرماتے تھے۔افسوس کہ آپ کے کلام کا کافی غیر مطبوعہ ذخیرہ بھارت میں رہ گیا اور پیش آمدہ حالات میں ضائع ہوگیا۔راقم کو آپ کے اشعار نویس ہونے کا فخر حاصل ہے"۔ (۲۴)

خواجہ شمس الدین عظیمی صاحب اس حوالے سے کہتے ہیں کہ

" قلندر بابا اولیاء کی رباعیات نے نسلِ انسانی کے اندر ایک نئی روح پھونک دی ہے۔یہ رباعیات نوعِ انسانی کے لیے ورثہ ہیں۔ان رباعیات کی تفہیم کے بعد انسان نیابت وخلافت کا فراموش کردہ علم دوبارہ سیکھ لے گا"۔ (۲۵)

قلندر بابا ان رباعیات کو باتصویر پیش کرنا چاہتے تھے تاکہ قاری ان کے حقیقی مفہوم سے آشنا ہو سکے مگر بعض وجوہات کی بناء پر ایسا ممکن نہ ہوسکا۔

۴) تذکرہ تاج الدین باباؒ

یہ کشف وکرامات اور ماورائی علوم کی توجیہات پر ایک مستند کتاب ہے جو قلندر بابا نے اپنے نانا روحانی بزرگ حضرت تاج الاولیاء سید محمد تاج الدین ناگپوریؒ کے حالاتِ زندگی اور روحانی وعلمی مباحث پر لکھی۔

اس کتاب کے چند اقتباسات ملاحظہ ہوں۔

۱۔ "قدرت کا چلن یہ ہے کہ وہ لامتناہی تفکر سے تناہی تفکر کو فیضان پہنچاتی رہتی ہے۔پوری کائنات میں اگر قدرت کا یہ فیضان جاری نہ ہوتو کائنات کے افراد کا یہ درمیانی رشتہ کٹ جائے۔ایک تفکر کا دوسرے تفکر کو متاثر کرنا بھی قدرت کے اس طرزِ عمل کا جزو ہے۔انسان پابہ ِگل ہے جنات

یا بہ ہیولہ ہیں۔فرشتے پا بہ نور ہیں۔ یہ تفکر تین قسم کے ہیں اور تینوں کائنات
ہیں۔اگر یہ تینوں مربوط نہ رہیں اور ایک تفکر کی لہریں دوسرے تفکر کو نہ ملیں
تو ربط ٹوٹ جائے گا اور کائنات منہدم ہو جائے گی"۔

۲۔ "نانا تاج الدینؒ اس وقت ستاروں کی طرف دیکھ رہے تھے کہنے
لگے کہ کہکشانی نظاموں اور ہمارے درمیان ایک بڑا مستحکم رشتہ ہے۔پے در پے
جو خیالات ہمارے ذہن میں آتے ہیں وہ دوسرے نظاموں اور اُن کی آبادیوں
سے ہمیں موصول ہوتے ہیں۔ یہ خیالات روشنی کے ذریعے ہم تک پہنچتے ہیں۔
روشنی کی چھوٹی بڑی شعاعیں خیالات کے لاشمار تصویر خانے لے کر آتی ہیں۔
ان ہی تصویر خانوں کو ہم اپنی زبان میں تو ہم، خیال، تصور اور تفکر وغیرہ
کا نام دیتے ہیں"۔ (۲۶)

۵) روحانی ڈائجسٹ

قلندر بابا اولیاء کی سرپرستی میں دسمبر ۱۹۷۸ء میں "ماہنامہ روحانی ڈائجسٹ" کا پہلا شمارہ منظر عام پر آیا۔ جس میں آج بھی عام لوگوں کی فہم اور دلچسپی کے مطابق علمی ادبی، روحانی، سائنسی اور ہر طرح کے معلوماتی مضامین شائع ہو رہے ہیں۔

مشعل رحیم اپنے ایک مضمون میں اس حوالے سے لکھتی ہیں کہ۔

"یہ رسالہ روحانی علوم کی اشاعت وفروغ کا ایک اہم ذریعہ ثابت ہوا ہے۔
جس نے روحانی علوم کو پراسراریت کے دبیز پردوں سے نکال کر اسے سائنسی
استدلال کے ساتھ پیش کیا ہے"۔ (۲۷)

روحانی ڈائجسٹ کے پہلے ماہنامہ شمارے دسمبر ۱۹۷۸ء سے لے کر تا حال فروری ۲۰۲۰ء تک کے ہر ماہنامہ میں قلندر بابا کی رباعیات بمعہ تشریح کے شائع ہوتی رہیں۔ (یہ روحانی تشریح قلندر بابا کے شاگرد خاص خواجہ شمس الدین عظیمی صاحب کرتے رہے ہیں)۔اس کے علاوہ قلندر بابا کی کتاب "لوح وقلم" کئی بار روحانی ڈائجسٹ میں قسط وار چھپی۔اس کے علاوہ اُن کی لکھی ہوئی کہانی "شیطان کی سوانح عمری" بھی روحانی ڈائجسٹ میں قسط وار شائع ہوتی رہی۔ نیز قلندر بابا کے بہت سے مکتوبات جو اُنہوں نے علمی وادبی و روحانی موضوعات پر مختلف دوستوں اور

شاگردوں کو لکھے روحانی ڈائجسٹ کی زینت بنتے رہے۔آپ اُن اولیاء اللہ میں سے تھے جنہیں خوابوں کی تعبیر کا علم منتقل ہوا۔اُنہوں نے خوابوں کی تعبیروں کے ذریعے بھی بہت سے اہم رموز سے پردہ اُٹھایا ہے۔سائلین کے غلط طرزِ عمل کی نشاندہی کی جس سے اُنہیں نقصان پہنچ رہا تھا۔۱۹۶۰ء کی دہائی میں مختلف اخبارات روزنامہ جنگ، جسارت، حریّت اور مشرق میں جب کہ بعدازاں روحانی ڈائجسٹ میں بھی لوگوں کے خواب اور آپ کی بتائی ہوئی تعبیریں شائع ہوتی رہیں اور بعد میں آپ کے شاگردِ رشید خواجہ شمس الدین عظیمی صاحب نے عوام کے خوابوں کی تعبیریں بتانے کا یہ سلسلہ جاری رکھا۔

٦) کہانیاں

قلندر بابا نے مختلف اخبارات ورسائل میں ادارت اور کالم نگاری کے علاوہ افسانے اور کہانیاں بھی لکھیں۔ فرضی ناموں سے بھی آپ نے کئی مشہور کہانیاں قلم بند کیں جو وقتاً فوقتاً مختلف اخبارات ورسائل کی زینت بنیں۔اُن کہانیوں میں ایک کہانی "شیطان کی سوانح عمری" کے نام سے ماہنامہ "نقاد" کراچی میں قسط وار چھپتی رہی اور عوام میں بہت مقبولیت اور پذیرائی حاصل کی۔آپ جنات اور اُن کی دنیا کے متعلق حقائق پر مشتمل ایک سلسلہ وار کہانی بھی لکھوا رہے تھے۔مگر اسی دوران شدید بیماری اور بعدازاں انتقال کے باعث کہانی قسط وار کی بجائے ایک ہی قسط میں سمیٹنی پڑی۔اپنے پلاٹ اور موضوع کے اعتبار سے یہ ایک اُچھوتی کہانی ہے۔ایک ایسی دُنیا اور ایک ایسے موضوع کے حوالے سے حقائق پر مبنی جو ہماری مادی آنکھوں سے اوجھل ہے اس کے کردار مابعدالطبیعاتی ہیں۔

۷) قلمی نقشے

قلندر بابا نے اپنے شاگردِ خاص خواجہ شمس الدین عظیمی صاحب کو صوفیانہ موضوعات کی تشریحات کے دوران بہت سارے قلمی نقشے بھی بنا کر دیے۔

خواجہ شمس الدین عظیمی "تذکرہ قلندر بابا اولیاء" میں لکھتے ہیں کہ۔

" قلندر بابا اولیاء نے اپنی روحانی اولاد کے لیے عالمِ لاہوت، ملکوت،
جبروت اور ارض وسماوات کی تخلیق اور تسخیر کائنات کے فارمولوں پر بہت
سارے نقشے بنا کر دیے ہیں"۔ (۲۸)

۸) آیاتِ قرآنی کی روحانی تفسیر

لوحِ محفوظ پر موجود قرآن پاک کائناتی تخلیق کے پروگرام کی بنیادی شکل ہے۔فرمانِ باری تعالیٰ کے مطابق کوئی بھی چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی چیز ایسی نہیں جس کا بیان قرآن میں نہ ہو۔اس حوالے سے قرآن پاک میں کئی جگہ ذکر ہے کہ ان آیات کا اصل مفہوم وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جو غور و فکر کرتے ہیں۔جو صاحبِ عقل و شعور ہیں جو راسخون فی العلم ہیں جب بندہ اپنی پوری توجہ اللہ کی طرف کر لیتا ہے تو اُس پر معرفت خُداوندی کے دروازے کُھل جاتے ہیں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ

"اور جو لوگ ہمارے لیے جُہد کرتے ہیں ہم اُن پر اپنی راہیں کھول دیتے ہیں"۔ (۲۹)

حدیث نبویؐ ہے کہ

"مومن کی فراست سے ڈرو کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے"۔ (۳۰)

ایسے قدسی نفس اور صاحبِ علم حضرات ہر دور میں موجود رہے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاص طور پر یہ نورِ بصیرت حاصل ہوا اُن میں سے ایک حضرت قلندر بابا اولیاءؒ بھی ہیں جو عرفانِ خُداوندی کی بدولت کائنات کے تخلیقی فارمولوں کا نہ صرف علم رکھتے تھے بلکہ اُنہوں نے عوام الناس کو بتایا کہ قرآن پاک محض مسئلہ مسائل کی کتاب نہیں بلکہ یہ کائناتی فارمولوں کی دستاویز ہے۔

قلندر بابا نے مختلف اوقات میں سائلین کے استفسار پر مختلف قرآنی سورتوں اور آیات کا ترجمہ اور اُن کی عام فہم روحانی تفسیر بیان کی۔جس سے قرآنی آیات کو سمجھنے میں بہت مدد ملی۔مثال کے طور پر:

سورۃ الحجر کی آیت ۸۷ ہے۔

وَلَقَدْ ءَ اتَيْنٰكَ سَبْعًا مِنَ الْمَثَانِى وَالْقُرْءَ انَ الْعَظِيْمَ ٥

ترجمہ:اور بے شک ہم نے آپ کو سات آیتیں (نور) عطا فرمائیں۔جو دہرائی جاتی ہیں اور عظمت والا قرآن۔

سات انوار کا بیان حسب ذیل ہے:

اللہ تعالیٰ نے سورۃ فاتحہ میں جو تمام آسمانی صحیفوں کی تمہید ہے اور قرآن پاک کا دیباچہ ہے، ارشاد فرمایا ہے:

۱۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وہی اللہ لائق حمد ہے جس کا نور کائنات کو پرورش کر رہا ہے۔ یہ پہلا نور ہے۔

۲۔ اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ جس کا نور رحم و کرم بن کر محیط ہے۔ یہ دوسرا نور ہے۔

۳۔ مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ اس کا نور چھایا ہوا ہے ابد سے انتہا تک۔ یہ تیسرا نور ہے۔

۴۔ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ اس کا نور ہی ہر بندے کا محافظ اور مددگار ہے۔ یہ چوتھا نور ہے۔

۵۔ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ اس کا نور ہی سیدھا راستہ ہے۔ یہ پانچواں نور ہے۔

۶۔ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ اس کا نور ہی انعام ہے۔ یہ چھٹا نور ہے۔

۷۔ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ اس کا نور ہی جلال بن کر کائنات کو تنبیہہ کرتا ہے۔ یہ ساتواں نور ہے۔

قرآن پاک کی زبان میں ساتوں انوار مل کر "سبع ثانی" کہلاتے ہیں اور ان ہی کی یکجائی کا نام روح ہے جو قدم قدم پر انسان کو مطلع کرتی، ہر بات بتاتی اور ہر چیز فراہم کرتی ہے۔ اس ہی روح کا نام "ورائے محسوسیت" ہے۔ (۳۱)

حوالہ جات (باب اوّل)

۱) یاسر ذیشان عظیمی ڈاکٹر، شرح رباعیات من آیات القرآن، لاہور، معراج دین پرنٹرز، ۲۰۰۵، ص۔۲۳

۲) شمس الدین عظیمی خواجہ، تذکرہ قلندر بابا اولیاء، مکتبہ تاج الدین بابا، کراچی، س ن، ص۔۲۶

۳) ایضاً، ص۔۲۹

۴) یاسر ذیشان عظیمی ڈاکٹر، حضور قلندر بابا اولیاء، عظیمی یونیورسٹی پریس، کراچی، ۲۰۲۰ء، ص۔۶۴

۵) ایضاً، ص۔۵۷

۶) یاسر ذیشان عظیمی ڈاکٹر، شرح رباعیات من آیات القرآن، ص۔۲۱

۷) نثار علی بخاری سید، کلام عارف، کراچی، سن ندارد، ص۔۱۶

۸) ایضاً، ص۔۱۷

۹) عبدالروف عظیمی فرزند قلندر بابا اولیاء، انٹرویو، مورخہ ۲۷ جنوری ۲۰۲۰، بروز ہفتہ، وقت صبح ۱۰ تا ۱۱ بجے

۱۰) شہزاد احمد عظیمی، تذکرہ خواجہ شمس الدین عظیمی، الکتاب پبلی کیشنز، نارتھ ناظم آباد، کراچی، ۲۰۱۳ء، ص۔۸۴

۱۱) نثار علی بخاری سید، کلامِ عارف، کراچی، سن ندارد، ص۔۱۹۴

۱۲) شمس الدین عظیمی خواجہ، تذکرہ قلندر بابا اولیا، ص۔۱۶۸

۱۳) ایضاً، ص۔۱۷۰

۴) ماہنامہ روحانی ڈائجسٹ، کراچی کشف و کرامات، مشمولہ جنوری، ۲۰۱۰، ص۔۵۵

۱۶۔۱۵) وقار یوسف عظیمی ڈاکٹر، مقالہ پی ایچ ڈی، "سلسلۂ عظیمیہ اور اُس کی علمی و سماجی خدمات کا تحقیقی جائزہ" مکتبہ روحانی ڈائجسٹ کراچی، ۲۰۰۷، ص۔۱۳۳

۸ ۱۔۱۷) دانیال (مرتبہ) قلندر بابا اولیاء کے نادر روحانی نسخے، مشمولہ روحانی ڈائجسٹ، کراچی، ۲۰۰۲، ص۔۸۵

۱۹۔۲۰) ایضاً،ص۔۸۶

۲۱) وقار یوسف عظیمی ڈاکٹر،مقالہ پی ایچ ڈی "سلسلۂ عظیمیہ اور اُس کی علمی وسماجی خدمات کا تحقیقی جائزہ، ص۔۱۳۴۔۱۳۵

۲۲) قلندر بابا اولیاء،قدرت کی اسپیس (دیباچہ)۲۰۰۴ء،رئیس برادرز کراچی

۲۳) فرخ اعظم،مضمون قلندر بابا (شخصیت اور شاعری) مشمولہ "روحانی ڈائجسٹ" ۱۹۸۴ء، کراچی، ص۔۴۴،۴۵

۲۴) نثار علی بخاری سید، کلامِ عارف، کراچی، سن ندارد،ص۔۱۹۳

۲۵) یاسر ذیشان عظیمی ڈاکٹر،شرح رباعیات من آیات القرآن،ص۔۱۱

۲۶) قلندر بابا اولیاء،تذکرہ بابا تاج الدین ناگپوریؒ، مکتبہ تاج الدین کراچی، سن ندارد،ص۔۸تا۹

۲۷) مشعل رحیم،مضمون "سلسلۂ عظیمیہ کی خدمات" مشمولہ "روحانی ڈائجسٹ" جنوری،۲۰۰۲، ص۔۵۰

۲۸) شمس الدین عظیمی خواجہ،تذکرہ قلندر بابا اولیاء،ص۔۳۵

۲۹) القرآن،سورۃ العنکبوت،آیات۔۶۹

۳۰) حدیث جامع الترمذی، ابواب تفسیر،۲:۱۳۵

۳۱) یاسر ذیشان عظیمی ڈاکٹر،حضور قلندر بابا اولیاء،ص۔۳۲۳ تا ۳۲۴

باب دوم

اُردو میں رباعی کی روایت اور ارتقاء

فصل اوّل : (رباعی کے بنیادی مباحث)

ا) رباعی کی تعریف اور فنی لوازمات

ب) رباعی کی ایجاد

ج) رباعی کے مختلف نام اور وجہٗ تسمیہ

د) رباعی کے مخصوص اوزان اور بحور

ہ) رباعی کی اقسام

و) رباعی کے موضوعات

فصل دوم : (رباعی کا ارتقاء)

ا) ایران کے فارسی رباعی گوشعراء

ب) ہندوستان کے فارسی رباعی گوشعراء

ج) ہندوستان کے اُردو رباعی گوشعراء (قدماء)

د) اُردو رباعی کا دورِ جدید

فصل اوّل: رباعی کے بنیادی مباحث

(ا) رباعی کی تعریف اور فنی لوازم

رباعی عربی زبان کا لفظ ہے جو ربع سے نکلا ہے اس کا مادہ ر، ب، ع ہے۔ ربع کا مطلب چوتھا یا چار چار کے ہیں۔ عربی قواعد کے مطابق جس میں چار حروف اصلی ہوں۔ مثلاً دَحْرَجَ ،بَعْثَرَ وغیرہ۔

اُردو فیروز اللغات کے مطابق

"وہ چار مصرعے جو اوزانِ مخصوص پر ہوں اس میں پہلے اور چوتھے مصرعے کا ہم قافیہ ہونا ضروری ہے۔ رباعی کے چوبیس اوزان ہیں"۔ (۱)

اُردو انسائیکلوپیڈیا کے مطابق

"شاعرانہ اصطلاح میں رباعی اس صنف کا نام ہے جس میں چار مصرعوں میں ایک مکمل مضمون ادا کیا جاتا ہے"۔ (۲)

رباعی اُردو کی ایک معروف مگر مختصر صنفِ سخن ہے جس میں مقررہ اوزان کے چار مصرعوں میں ایک مکمل خیال کو ادا کیا جائے۔ علمائے فن اس بات پر متفق ہیں کہ رباعی کے پہلے، دوسرے اور چوتھے مصرعے کا ہم قافیہ ہونا ضروری ہے۔ بعض اوقات تیسرا مصرعہ بھی ہم قافیہ ہو جاتا ہے جو کہ عیب شمار نہیں ہوتا۔

رباعی کا مُردف ہونا ضروری نہیں صرف قافیہ کا ہونا بھی کافی ہے۔ بعض اوقات رباعی میں ایک ٹکڑا بڑھا کر اُسے مستزاد بھی بنا لیتے ہیں۔ البتہ رباعی کے چوتھے مصرعے کا جاندار ہونا بہت ضروری ہے۔ اسے باقی تینوں مصرعوں کا حاصل قرار دیا جاسکتا ہے۔

(ب) رباعی کی اقسام

ابتداً رباعی کے چاروں مصرعے ہم قافیہ ہوتے تھے بعد میں تیسرے مصرعے سے قافیہ حذف کر دیا گیا۔ اس طرح رباعی کی دو اقسام ہو گئیں۔

۱۔ خصی رباعی

۲۔ غیر خصی رباعی

جس رباعی میں پہلا، دوسرا اور چوتھا مصرع ہم قافیہ ہو اور تیسرا مصرع ہم قافیہ نہ ہو تو اُسے خصی رباعی کہتے ہیں۔ جبکہ جس رباعی میں چاروں مصرعے ہم قافیہ ہوں اُسے غیر خصی رباعی کہتے ہیں۔

اُردو اور فارسی شاعری میں خصی رباعی کو زیادہ قبولِ عام ملا جبکہ غیر خصی رباعیات نسبتاً کم ہیں۔

(ج) رباعی کی ایجاد

بلاشبہ اُردو شاعری کی مقبول ترین صنف غزل ہی ہے۔ تاہم رباعی کی اہمیت سے کسی بھی صورت انکار نہیں کیا جاسکتا۔ یہ اُردو شاعری کی بڑی اصناف غزل، مثنوی اور قصیدہ ہی کی طرح اپنا ایک خاص مقام رکھتی ہے اور اُردو کے تقریباً تمام بڑے شعراء نے رباعی کہی ہے۔

بقول ڈاکٹر صابر سنبھلی کے

> "جو شعراء رباعی گوئی پر قادر نہیں ہوتے تھے ان کو ادھورا سمجھا جاتا تھا۔ خواہ وہ اُستادی کے منصب پر ہی فائز کیوں نہ ہوں"۔ (۳)

موجودہ رباعی کی ایجاد سے پہلے اگر ہم بین الاقوامی ادب میں اس سے مشابہت رکھنے والی اصناف کا جائزہ لیں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ سنسکرت میں رباعی سے ملتی جُلتی چیز "چار چرن" موجود ہے۔ چار چرن کے مشہور شعراء میں کالی داس بھبھوتی، ماگھ اور ہرنش وغیرہ شامل ہیں۔ ایسی ہی ایک چیز "چوپائی" بھی ہے۔ جسے ہیم چندر سوری، چند بردائی، ملک محمد جائسی اور تلسی داس وغیرہ نے شہرت بخشی۔

اسی طرح چاربیتہ پشتو شاعری کی ایک قدیم صنف ہے۔ جسے قدماء نے زیادہ برتا جبکہ متاخرین نے اس طرف زیادہ توجہ نہیں دی۔ بلکہ چاربیتہ کو ہیئتی تنوع سے بھی دوچار کیا۔

انگریزی میں بھی چار سطروں والے بند پائے جاتے ہیں۔ جو رباعی سے مشابہت رکھتے ہیں اس صنف کو Quartrain کہتے ہیں۔ ڈرائیڈن، گرے، ورڈزورتھ وغیرہ نے اس صنف میں کافی کام کیا۔

انگریزی کے علاوہ لاطینی زبان میں بھی کوارٹرین موجود ہے۔ اس حوالے سے ہوریس اور ورجل کا نمایاں

کام موجود ہے۔

عربی الاصل غزل کے بعد فارسی الاصل رباعی کی پیدائش ایران میں ہوئی۔

شمس الدین محمد بن قیس رازی کی کتاب "الاشعار العجم" میں رودکی کو رباعی کا موجد قرار دیا گیا ہے اس لحاظ سے چوتھی صدی ہجری میں رباعی کی ایجاد ممکن ہے۔

رباعی کی ایجاد کے حوالے سے قدیم تذکروں میں ایران کے سلطان امیر یعقوب لیث صفار متوفی ۲۹۰ھ کے ایک لڑکے کا قصہ ملتا ہے۔

علامہ شبلی نعمانی "شعر العجم" میں اس سلسلے میں لکھتے ہیں۔

" یعقوت صفار کا ایک کمسن بچہ ایک دن اخروٹ کھیل رہا تھا۔ ایک اخروٹ لڑھکتے لڑھکتے ایک گڑھے میں جا گرا۔ بچے کی زبان سے بے ساختہ یہ مصرع نکلا۔

غلطاں، غلطاں ہمی رود تا لب گوے

یعقوب وہاں موجود تھا اس کو بچے کی زبان سے یہ موزوں کلام بہت پسند آیا۔ شعراء کو بلا کر کہا کہ یہ کیا بحر ہے؟ اُنہوں نے کہا یہ بحر ہزج ہے پھر تین مصرے لگا کر رباعی کر دیا اور دو بیتی نام رکھا۔ (۴)

بعض کتابوں میں اس واقعے کے ساتھ رودکی کا اور بعض میں ابو دلف و زینت الکعب کا نام آتا ہے۔ البتہ کوئی تاریخی شہادت اس قصے کی توثیق و تصدیق میں نہیں ملتی۔

(د) رباعی کے مختلف نام اور وجۂ تسمیہ

اُردو اور فارسی کی قدیم کتابوں میں ہمیں رباعی کے لیے مختلف نام ملتے ہیں مثلاً ترانہ، دوبیتی، چہار مصرعی، چہار بیتی وغیرہ۔

ترانہ:

فارسی کی قدیم ترین لغتوں میں اسے ترانہ کے نام سے لکھا گیا۔ یہ ایرانی الاصل ہے قدر بلگرامی کے مطابق جب رودکی کی رباعی مشہور ہوئی تو اُس نے سوچا کہ لوگوں کی دماغی خشکی اس سے ختم ہوگی۔ لہذا "تر" یعنی مرطوب سے نسبت کر کے اسے ترانہ کہا گیا۔

جبکہ قیس رازی اپنی کتاب اشعار العجم میں اس حوالے سے لکھتے ہیں کہ " اہلِ دانش ملحونات ایں وزن را ترانہ نام کردند"۔

چہار بیتی:

قدیم ایران میں شاعری کا ایک وزن ایسا بھی رائج تھا جس کا ہر مصرع دو رکنی ہوتا تھا گویا چار رُکنی مصرعوں کے دو بیت اس وقت چار بیت شمار کیے جاتے تھے۔اسی رعایت سے دو بیت کا نام بھی چہار بیتی پڑ گیا۔

دو بیتی:

بعد میں آنے والے رباعی گو شعراء نے چہار بیتی کے دو مصرعوں کو ایک بیت شمار کیا۔اسی طرح چہار بیتی کو دو بیتی کہا جانے لگا۔

رباعی:

ایرانی ترانہ اور چہار بیتی کا عربی نام رباعی ہے اور اس صنف کے لیے اب عموماً یہی نام استعمال ہوتا ہے۔
ملا حسین کاشفی کے نزدیک:

> ''اسے رباعی اس لیے کہتے ہیں کہ یہ بحرِ ہزج سے مخصوص ہے اور بحر ہزج عربی کے شعروں میں چار اجزاء پر ختم ہوتی ہے۔''(۵)

(ہ) رباعی کے مخصوص اوزان اور بحور

شعر سے نثر کا امتیاز کرنے والی چیز وزن ہے۔وزن دو کلمات کی حرکات وسکنات کے برابر ہونے کو کہتے ہیں۔مثلاً بَندُوق یا سَامَان وغیرہ یعنی جتنی حرکتیں اور سکون ایک میں ہیں اُتنے ہی دوسرے میں ہیں، گو دونوں کی حرکات مختلف ہوں۔

جبکہ بحر اُن چند موزوں کلموں کا نام ہے جن پر شعر کا وزن جانچتے ہیں۔گویا شعر میں ارکان کی مخصوص ترتیب کو بحر کہتے ہیں۔شعر میں موسیقی اور وزن جس قدر ہوگی۔اُسی قدر وہ بحر عمدہ شمار ہوگی۔

شاعری میں ان اُصولوں کو جان لینے کے علم کو "علمِ عروض" کہا جاتا ہے۔اس علم کا مُوجدِ اول عبدالرحمٰن

خلیل بصری ہے۔

اُردو شاعری میں چھوٹی بڑی مستعمل بحروں کی تعداد تقریباً سو ہے۔جن میں سے ۳۰ بحریں ہی زیادہ مقبول ہیں۔

غزل اور قصیدہ کسی بھی بحر میں لکھ سکتے ہیں البتہ مثنوی، دوہا اور رباعی مخصوص ہیئت میں ہونے کی وجہ سے مقررہ اوزان میں ہی لکھی جاسکتی ہیں۔رباعی کے لیے جو اوزان مقرر کیے گئے ہیں وہ بحرِ ہزج مثمن سالم (مفاعیلن چار بار) پر زحافات کے مختلف طرح کے استعمال سے رباعی کے چوبیس (۲۴) اوزان بنائے گئے ہیں۔البتہ عروض کے مسلّمہ اصولوں کی روشنی میں مزید بارہ اوزان میں بھی کہی جاسکتی ہے۔اس طرح اس کے اوزان چھتیس (۳۶) ہوجاتے ہیں۔

رباعی کے وزن کے بارے میں یہ بھی مشہور ہے کہ رباعی کا وزن قرآن پاک کی آیت "لَا حَـــول وَلا قُوة اِلَّا بِاللّٰه " پر ہے۔

جیسا کہ بقول ابراہیم اشک کے:

؎ ہر لفظ میں معنی کو بسانا ہوگا
کوزہ میں سمندر کو چھپانا ہوگا
لَا حَـــول وَلا قُـــوة اِلَّا بِـــالـــلّٰـــه
یہ بحر رباعی میں نبھانا ہوگا

جبکہ فرمان فتح پوری اس بارے میں لکھتے ہیں کہ:

"یہ خیال غلط ہے کہ رباعی کا وزن صرف" لَا حَول وَلا قُوة اِلَّا بِاللّٰه "
ہے۔یہ صرف اس قدر درست ہے کہ رباعی کے چوبیس اوزان میں سے ایک
وزن یہ بھی ہے اور رباعی کے بعض مصرعے اس وزن پر بھی ہوسکتے ہیں"۔ (۶)

رباعی کے مستعمل بارہ اوزان شجرۂ اخرب میں داخل ہیں اور بارہ اوزان شجرۂ اخرم میں۔

اخرب:

۱) مفعول مفاعیلن مفعول فعول

۲) مفعول مفاعیلن مفعول فعل

۳) مفعول مفاعیلن مفعولن فاع

۴) مفعول مفاعیلن مفعولن فع

۵) مفعول مفاعلن مفاعیل فعول

۶) مفعول مفاعلن مفاعیل فعل

۷) مفعول مفاعلن مفاعیلن فاع

۸) مفعول مفاعلن مفاعیلن فع

۹) مفعول مفاعیل مفاعیلن فاع

۱۰) مفعول مفاعیل مفاعیلن فع

۱۱) مفعول مفاعیل مفاعیل فعول

۱۲) مفعول مفاعیل مفاعیل فعل

اخرم:

۱) مفعولن مفعولن مفعولن فاع

۲) مفعولن مفعولن مفعولن فع

۳) مفعولن مفعولن مفعول فعول

۴) مفعولن مفعولن مفعول فعل

۵) مفعولن مفعول مفاعیلن فاع

۶) مفعولن مفعول مفاعیلن فع

۷) مفعولن مفعول مفاعیل فعول

۸) مفعولن مفعول مفاعیل فعل

۹) مفعولن فاعلن مفاعیلن فاع

۱۰) مفعولن فاعلن مفاعیلن فع

۱۱) مفعولن فاعلن مفاعیل فعول

۱۲) مفعولن فاعلن مفاعیل فعل (۷)

(و) رباعی کے موضوعات

رباعی کے کوئی مخصوص موضوعات نہیں ہیں۔اس اعتبار سے رباعی اپنے اندر ہر طرح کے مسائل ومعاملات کوسمیٹ لینے کی صلاحیت رکھتی ہے۔اس میں شاعر اپنے ذاتی تجربات ،مشاہدات واحساسات کے علاوہ دنیا کے سارے سماجی، سیاسی، معاشی، معاشرتی اوراخلاقی ومذہبی موضوعات پر بات کرسکتا ہے۔

ابتدائی دور کی رباعیات زیادہ تر حمد ونعت اصلاحی، اخلاقی اور پند ونصائح کے موضوعات پر مشتمل تھیں لیکن بعد کے رباعی گوشعراء نے اس کے موضوعات میں وسعت اور تنوع پیش کیا۔

ڈاکٹر وحید اشرف کے بقول:

> "بنیادی طور پر رباعی عرفانی وروحانی موضوعات کے لیے ہی مناسب وموزوں ہے تاہم شعراء نے اسے تمدنی ومعاشرتی اور تہذیبی وسیاسی دائرہ کار کی وسعت عطا کی ہے اور رباعی نے بھی شاعری کا دل بن کر ارض وسماء کی وسعتوں کو چیلنج دے دیا"۔ (۸)

ڈاکٹر وحید اشرف کے خیال میں رباعی سے منظر نگاری، محاکات، جذبات نگاری اور فطرت نگاری کا کام جتنی خوبی سے لیا جاسکتا ہے وہ غزل یا کسی اور صنفِ سخن سے نہیں لیا جاسکتا۔

فصل دوم : رباعی کا ارتقاء

(ا) ایران کے فارسی رباعی گو شعراء

موجودہ رباعی فارسی زبان کی ایجاد ہے۔ فارسی ادب میں رباعیات کی کمی نہیں۔ اُردو رباعی نے بھی فارسی رباعی سے ہی زیادہ تر استفادہ کیا ہے اور اپنا چراغ وہیں سے روشن کیا ہے۔ لہٰذا اُردو رباعی گو شعراء سے پہلے مختصراً فارسی رباعی گو شعراء کا سرسری تذکرہ موضوع کے بنیادی تعارف کے لیے ضروری ہے۔

فارسی رباعی کی ترقی میں صوفیاء اور فقراء کا بہت ہاتھ رہا ہے۔ اس لیے اس صنف میں مذہب، اخلاق، فلسفہ، تصوف اور عشق وغیرہ کے مضامین شامل رہے۔ ان کے بعد مفکرین و مصلحین اور بعد میں فارسی کے عام شعراء نے بھی رباعی پر مشقِ سخن کی ہے۔

اگرچہ رباعی کی ایجاد کے سلسلے میں رودکیؔ متوفی ۳۲۹ھ کا نام لیا جاتا ہے اور ان کا دیوان ۳۱۵ھ میں ایران میں شائع ہوا۔ لیکن امتدادِ زمانہ کے باعث وہ اب ناپید ہے۔

البتہ ڈاکٹر فرمان فتح پوری کے خیال میں ابوشکور بلخیؔ متوفی ۳۳۶ھ کو فارسی کا پہلا باقاعدہ رباعی گو شاعر سمجھنا چاہیے۔ یہ رودکی کا ہم عصر تھا۔ ان کی مشہور کتاب " آفرین نامہ " ہے۔

نمونہ کلام (رباعی)

" ای گشتہ من از غم فراوان تو پست
شد قامت من ز بار وہجران تو شست
اے شستۂ من از فریب ودستاں تو دست
خود ہیچ کسی بہ سیرت وساں تو ہست " (۹)

سلطان ابوسعیدؔ ابوالخیر

یہ دورِ غزنویہ کے ممتاز شعراء میں سے تھے اور شیخ بوعلی سینا کے ہم عصر تھے۔ ان دونوں بزرگوں میں خط و کتابت ہوتی رہتی تھی۔ آپ ایک برگزیدہ بندے تھے اپنی زندگی کے 14 سال انہوں نے حالات جذب میں

گزارے اور علومِ ظاہر و باطن سے آراستہ ہوئے۔ آپ شریعت و طریقت کو ایک ہی سمجھتے تھے۔ آپ عاشقِ حقیقی تھے آپ کی رباعیات آپ کے روحانی تجربات و واردات کی عکاس ہیں۔

نمونہ کلام (رباعی):

ے " وصل تو کجا و من مہجور کجا
دردانہ کجا، حوصلۂ مور کجا
ہر چند ز سوختن ندارم باکی
پروانہ کجا و آتش طور کجا " (۱۰)

عمر خیامؔ:

عمر خیامؔ ایک فلسفی شاعر تھے۔ آپ کی شاعری کا تمام تر سرمایہ ایک مجموعہ رباعیات ہے ڈھائی سو سے ایک ہزار تک رباعیات ان کے نام سے منسوب ہیں۔

عمر خیام، رباعی اور شراب کی تکون فارسی ادب میں ایک مقام رکھتی ہے۔

بقول شبلی نعمانی کے:

"جس چیز نے آٹھ سو برس تک اس کا نام زندہ رکھا وہ چند فارسی رباعیاں ہیں اور یہی اس کی شہرت کے بال و پر ہیں"۔ (۱۱)

آپ کی رباعیات مشرق سے زیادہ مغرب میں مشہور ہیں۔ تمام مغربی زبانوں میں اُن کی رباعیات کا ترجمہ ہو چکا ہے۔

نمونہ کلام (رباعیات)

ے "پُر خون ز فراقتِ جگری نیست کہ نیست
شیدائی تو صاحب نظری نسیت کہ نیست
با آنکہ نداری سرِ سودائے کسے
سودائے تو در ہیچ سرے نیست کہ نیست " (۱۲)

ـ "ہر روز برآنم کہ کنم شب توبہ
وز جام پیاپی لبا لب توبہ
واکنون کہ شکفت برگ گل برگم نیست
در موسمِ گل زتوبہ یارب توبہ" (۱۳)

مولانا رومؔ:

محمد جلال الدین رومی المعروف مولانا رومؔ اپنی مشہورِ زمانہ مثنوی "مثنوی مولوی معنوی" کے علاوہ اپنی فارسی رباعیات کے لیے بھی معروف ہیں۔اُن کی رباعیات کا مجموعہ 1312ھ میں شائع ہوا۔جس میں تقریباً ۱۸۰۰ سے زائد رباعیات ہیں۔آپ شاعرِ معرفت کہلاتے ہیں۔

نمونہ کلام (رباعی)

ـ "فردا کہ بہ محشر اندر آید زن ومرد
از بیم حساب رویہا گردد زرد
من عشق ترا بہ کف نہم پیش برم
گویم کہ حساب من ازاین باید کرد" (۱۴)

سعدیؔ شیرازی:

سعدی شیرازی ایران کے ایک صوفی شاعر ہیں اورعوام اورخواص دونوں میں یکساں مقبول ہیں۔گلستان اور بوستان (حکایاتِ سعدیؔ) کے علاوہ سعدی کی غزلیات اور قصائد بھی مشہور ہیں۔جبکہ اُن کی رباعیات میں دانائی و بینائی دونوں پائی جاتی ہیں۔

نمونہ کلام (رباعی)

ـ "ای صاحبِ مال فضل کن بر درویش
گر فضل خدای می شناسی برخویش
نیکویی کن کہ مردم نیک اندیش
از دولت وبخشش ہمہ نیک آید پیش" (۱۵)

حافظؔ شیرازی:

حافظؔ شیرازی کو فارسی شاعری میں ایک خاص مقام حاصل ہے۔آپ کو لسان الغیب کا خطاب دیا گیا ہے۔ غزلیات کے علاوہ اُنہوں نے مختلف موضوعات پر رباعیات بھی لکھی ہیں اُن کی عشقِ حقیقی کے رنگ میں رنگی ہوئی ایک رباعی ملاحظہ ہو۔

؎ "عمرے زپے وصال خوباں جہاں
گردیدم وایں تجربہ کردم آساں
یک راحت وصد ہزار محنت وصل
یک محنت وصد ہزار راحت ہجراں " (۱۶)

فریدالدین عطارؔ:

آپ سلجوقی دور کے ایک بڑے شاعر تھے۔ان کی سو سے زائد تصانیف ہیں رباعیات پر مشتمل دیوان "مختار نامہ" کہلاتا ہے۔آپ نے تقریباً ۵ سے ۶ ہزار کے درمیان متفرق موضوعات پر رباعیات لکھیں۔اُن کی ایک عارفانہ رباعی ملاحظہ ہو۔

؎ "اے پاکی تو منزّہ از ہر پاکی
قدوسی تو، مقدس از ادراکی
در رہ تو صد ہزار عالم گردی
درکوی تو صد ہزار آدم خاکی " (۱۷)

مندرجہ بالا شعراء کے علاوہ بھی فارسی کے بے شمار ایسے شعراء ہیں جنہوں نے مختلف اصنافِ سخن میں نام پیدا کرنے کے علاوہ رباعیات بھی لکھیں جیسے جامی، عراقی، انوری، خاقانی، فردوسی، عبداللہ انصاری، باباطاہر عُریاں، صحابی استرآبادی اور ابوالحسن خرقانی وغیرہ۔

(ب) ہندوستان کے فارسی رباعی گوشعراء

ہندوستان میں فارسی شاعری کا آغاز مسعود سعد سلمان متوفی ۱۱۲۱ء سے ہوتا ہے۔ دیگر اصناف کے علاوہ اُنہوں نے فارسی رباعیات بھی لکھیں جو آج کل ناپید ہیں۔

امیر خسروؒ:

طوطئ ہند امیر خسرو اُردو اور فارسی ادب دونوں میں یکساں مقبول و معروف ہیں۔ مثنوی، غزل اور قصائد کے علاوہ اُنہوں نے رباعیات بھی لکھیں۔

امیر خسرو حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے مرید خاص تھے۔ اسی لیے اُن کے کلام میں فقیرانہ وقلندرانہ شان ملتی ہے۔

اُن کی ایک نعتیہ رباعی ملاحظہ ہو۔

ؔ "از عزّ نورِ محمد ارنداری خبری
کن از رہ عقل در شہادت نظری
اللہ و محمد ست پیوستہ بہ ھم
یعنی کہ میانشاں نگنجد دگری " (۱۸)

بوعلی قلندرؒ:

حضرت بوعلی قلندرؒ پانی پتی ایک صوفی بزرگ تھے۔

" رباعیاتِ قلندر " کے نام سے اُن کی رباعیات کا ایک چھوٹا سا کتابچہ ملتا ہے جس میں اُن کی ۱۴ رباعیاں درج ہیں۔

اسرارِ معرفت اور رموزِ الٰہی کو اُنہوں نے بہت خوبصورتی سے بے نقاب کیا ہے۔

ؔ "اے آنکہ ز نور تو دو عالم روشن
پنہاں ز عالمے چو جان اندر تن
ما منتظر جمال وحدت باشیم
پس پردۂ کثرت از رُخِ خویش فگن " (۱۹)

سرمدؔ:

سرمد آخری زبردست فارسی رباعی گوشاعر تھے۔سرمد ابوسعید ابی الخیر اور عمر خیام کے ہم عصر تھے۔ان کی رباعیات عشقِ حقیقی و مجازی دونوں رنگوں میں رنگی ہوئی ہیں۔

نمونہ کلام (رباعی):

ے "از جرم فزوں یافتہ ام فضل ترا
ایں شد سببِ معصیتِ بیش مرا
ہر چند گنہہ بیش، کرم بیش تراست
دیدم ہمہ جا و آزمودم ہمہ را" (۲۰)

مرزا غالبؔ:

اگرچہ مرزا اسداللہ خان غالبؔ فارسی قصائد اور فارسی غزلیات میں تو فارسی شعراء میں اہم مقام رکھتے ہی ہیں۔مگر اُن کی فارسی رباعیات بھی اُنہیں خصوصیات کی حامل ہیں۔آپ کے ہاں تقریباً ۱۳۵ فارسی رباعیاں ملتی ہیں۔

غالبؔ کی رباعیات میں مختلف عارفانہ، رندانہ، عاشقانہ اخلاقی وفخریہ موضوعات ملتے ہیں۔

نمونہ کلام (فارسی رباعی)

ے "غالبؔ بہ سخن گرچہ کست ہمسر نیست
از نشئہ ہوش، ہیچت اندر سر نیست
مے خواہی و مفت ونغز وانگہ بسیار
ایں بادہ فروش ساقیِ کوثر نیست" (۲۱)

ہندوستان میں ان فارسی رباعی گو شعراء کے علاوہ ہمیں بے شمار شعراء کے ہاں فارسی رباعیات ملتی ہیں۔جن میں نمایاں نام خواجہ عزیزؔ لکھنوی، شیخ غلام قادرؔ گرامی، بایزیدؔ بسطامی، بوعلی سینا، حکیم سنائیؔ، قاآنیؔ، سلطان سنجرؔ سلجوقی، سلطان علاؤ الدین سلجوقی، بابرؔ، ھمایوںؔ، اکبرؔ، جہانگیرؔ، داراشکوہؔ وغیرہ ہیں۔

(ج) ہندوستان کے اُردو رباعی گو شعراء (قدماء)

اُردو ادب کی دیگر اصناف سخن (غزل، قصیدہ، مثنوی) کی طرح رباعی بھی فارسی سے اُردو میں آئی۔ بے شک فارسی رباعی کا اُردو رباعی پر بہت اثر رہا مگر وہ ہو بہو اُس کا چربہ نہیں ہے۔ اُس پر ہندوستانی ماحول اور معاشرت کا گہرا اثر پڑا۔

سلطان محمد قلی قطب شاہ:

سلطان محمد قلی قطب شاہ متوفی ۱۰۸۳ء قطب شاہی دور کا پانچواں حکمران گزرا ہے۔ چونکہ اس سے پہلے کسی بھی شاعر کے ہاں باقاعدہ اُردو رباعیات نہیں ملتیں لہذا اسے ہی پہلا اُردو رباعی گو شاعر قرار دیا جاتا ہے۔

قلی قطب شاہ کے کلیات میں غزل، قصیدہ، مثنوی، مرثیہ، رباعیات سب کچھ شامل ہیں۔ اُس کی رباعیات میں حقیقت و معرفت، حمد و نعت اور اخلاقی موضوعات بھی پائے جاتے ہیں۔ مگر اُس کا خاص موضوع عشق و محبت تھا کیونکہ اُس کی ساری زندگی عشق بازی اور عیاشی میں گزری۔ اس لیے اُس کی نصف سے زائد رباعیات عشقیہ ہیں۔

نمونہ کلام (رباعی)

ے " کہیا ترے لب کیا ہیں، کہی آبِ حیات
کہیا کہ تری بعد ا کہی حب نبات
کہیا کہ بچن تیری قطب کی بات
اس میٹھی لطافت پہ سدا ہی صلوٰت " (۲۲)

مُلّا وجہی:

قطب شاہی دور کے سب سے مشہور شاعر اور مصنف داستان (سب رس) مُلا وجہی کے ہاں غزل، مثنوی اور نوحے کے علاوہ رباعیات بھی ملتی ہیں۔ جو تعداد میں 9 ہیں۔

غواصیؔ:

غواصیؔ نے اپنی مشہور مثنویات (سیف الملوک اور بدیع الجمال اور طوطی نامہ) کے علاوہ غزل، مرثیے اور رباعیات بھی کہی ہیں۔

نصرتیؔ:

نصرتی عادل شاہی دور کا مشہور شاعر تھا۔ مثنویات (علی نامہ، گلشنِ عشق اور گلدستۂ عشق) کے علاوہ قصائد وغزلیات اور رباعیات بھی لکھیں۔

سراجؔ اورنگ آبادی:

سراج اورنگ آبادی دکنی دور کے مشہور شاعر ہیں جنہوں نے اُردو فارسی کے دو دیوان یادگار چھوڑے ہیں۔ انہوں نے غزل، قصیدے اور رباعی تینوں پر طبع آزمائی کی۔ اُن کی رباعیات عاشقانہ سرشاری اور رندانہ سرمستی کی حامل ہیں۔

نمونہ کلام (رباعی):

"اس شامِ جدائی میں مجھے آ دیکھو
الطاف و کرم کو کارفرما دیکھو
خورشید ڈوبا شفق کے لہو میں تمام
ٹک اپنے شہید کا تماشا دیکھو" (۲۳)

ولیؔ دکنی:

ولیؔ دکنی کو اُردو شاعری کا باوا آدم کہا جاتا ہے۔ قلی قطب شاہ کے بعد ولیؔ دوسرے بڑے رباعی گو شمار کیے جاتے ہیں۔ اُن کی بیشتر رباعیات تصوف و معرفت کے رنگ میں رنگی ہوئی ہیں۔ اُن کے دور میں تصوف عام تھا وہ ایک صوفی منش انسان تھے۔

نمونہ کلام (رباعی):

ے "دل شامِ حقیقت ستی جو مست ہوا

ہر مست مجازی سوں زبردست ہوا

یہ باغ و سا نظر میں تنکے سوں کم

اور عرشِ عظیم پگ تلے پست ہوا " (۲۴)

اسی طرح شمالی ہند کے رباعی گو شعراء میں ہمیں امینؔ ، بیانؔ ، بیدارؔ، بسملؔ ، تاباںؔ، جوششؔ، جودتؔ، حسرتؔ، خلقؔ، دردمندؔ، کلیمؔ، مخلصؔ، معینؔ اور ان جیسے کئی نام ملتے ہیں۔

اُردو شاعری کے عہدِ زریں اولؔ میں میر تقی میرؔ، خواجہ میر دردؔ، مرزا محمد رفیع سوداؔ، میر سوزؔ، میر حسنؔ اور قائمؔ چاند پوری کے علاوہ دیگر کئی شعراء نے بھی اچھی رباعیاں لکھیں۔ جن میں مظہرؔ جان جاناں، احسنؔ اللہ خان، حسرتؔ دہلوی، غمگینؔ دہلوی اور نظیرؔ اکبر آبادی وغیرہ شامل ہیں۔

میر تقی میرؔ:

خدائے سخن میر تقی میرؔ کی شاعری کا اصل میدان اُردو غزل ہے۔ البتہ اُن کی کلیات میں تقریباً ۱۰۰ سے زیادہ رباعیات موجود ہیں۔ اُن کی رباعیات میں بھی وہی سوز و گداز، نرمی،، شیرینی اور اثر آفرینی ہے جو ان کی غزل میں ہے۔ اُن کی زیادہ تر رباعیات خالص عشقیہ ہیں۔

نمونہ کلام (رباعی)

ے " کیا میرؔ تجھے جان ہوئی تھی بھاری

جب اُس بُتِ سنگدل سے کی تھی یاری

بیمار کیا بھلا کوئی ہووے اُس کا

پرہیز کرے جس سے خدائی ساری " (۲۵)

خواجہ میر دردؔ:

خواجہ میر دردؔ ایک صوفی شاعر ہیں تصوف اُن کی شاعری کا خاص موضوع ہے۔ اُردو فارسی غزل گوئی کے علاوہ اُنہوں نے اُردو فارسی میں رباعیات بھی لکھی ہیں۔ اُنہوں نے رباعیات میں مختلف موضوعات پر طبع آزمائی کی ہے۔

ایک رباعی میں غفلت کی نیند سے بیدار ہونے کی تلقین کچھ اس طرح کرتے ہیں۔

" موند آنکھ سدا کب تئیں دن ٹالے گا
غفلت کے تئیں بغل میں یوں پالے گا
اے دردؔ مراقبہ تو کرتے ہو و لے
ٹک اپنے گریبان میں بھی سر ڈالے گا " (۲۶)

مرزا محمد رفیع سوداؔ:

سوداؔ اُردو قصیدہ گوئی اور ہجو گوئی کے بادشاہ سمجھے جاتے ہیں۔ دیگر اصنافِ سخن کے علاوہ سوداؔ نے رباعیات بھی کہی ہیں ان کی رباعیات کے موضوعات فارسی رباعیات سے متاثر ہیں۔ ان کی رباعیات میں مدح، منقبت، معرفت وتصوف، حسن وعشق، اخلاق وہجو کے مضامین ملتے ہیں۔

نمونہ کلام (رباعی):

" افسوس کریموں میں نہیں یہ دستور
مفلس پہ کرم کر کے نہ ہو ویں مغرور
جھکتا ہے اگر شاخِ ثمر دار کا ہاتھ
پھل دے کے وہیں آپ کو کھینچے ہے دور " (۲۷)

اگر ایک طرف دہلوی شعراء میں غالبؔ، ذوقؔ، مومنؔ، شیفتہؔ اور ظفرؔ جبکہ لکھنوی شعراء میں انیسؔ و دبیرؔ جیسے باکمال شعراء نے غزل، قصیدے اور مثنوی کو بامِ عروج تک پہنچایا تو دوسری طرف رباعی جیسی پس افتادہ صنفِ سخن کو بھی ترقی کی راہوں پر گامزن کیا۔ اگرچہ غزل کی موجودگی میں رباعیات کم لکھی گئیں۔ پھر

بھی غالبؔ وظفرؔ کے مقابلے میں ذوقؔ اور مومنؔ کی رباعیاں زیادہ بہتر ہیں۔ خاص طور پر دہلوی شعراء میں مومنؔ بحیثیت ایک رباعی گو کے اپنے معاصرین میں ممتاز ہیں۔ انہوں نے حمد، نعت، منقبت، تصوف و معرفت، دنیا کی بے ثباتی اور پند و نصائح کو اپنی رباعیات کا حصہ بنا دیا۔ اُنہیں تمام اصنافِ سخن پر یکساں عبور حاصل تھا۔ اپنے ہم عصر شعراء سے اُنہوں نے نسبتاً زیادہ رباعیات لکھیں۔

نمونہ کلام (رباعیات):

ے " کیسے دیے پیچ و تاب دل نے مجھ کو
دکھلائے یہ سب عذاب دل نے مجھ کو
وحشت زدہ کُو بکُو پڑا پھرتا ہوں
کیا کیا نہ کیا خراب دل نے مجھ کو " (۲۸)

ے " جنت میں ہے روزِ حشر جانا مومنؔ
نادان نہ بن کہ تو ہے دانا مومنؔ
ہر رات نہ مل روئے صنم سے آخر
اک دن ہے خدا کو منہ دکھانا مومنؔ " (۲۹)

دہلوی شعراء سے کہیں زیادہ لکھنوی شعراء نے صنفِ رباعی کی طرف خصوصی توجہ دی۔ خاص طور پر انیسؔ و دبیرؔ نے مرثیے کی طرح رباعی کو بھی قابلِ قدر اور اہم بنا دیا۔ اور پہلی بار اُردو رباعی میں عشق و عاشقی اور دیگر موضوعات کے علاوہ واقعاتِ کربلا اور اُس کے متعلقات بھی رباعی کا حصہ بننے لگے۔

انیسؔ تحت اللفظ کے ساتھ رباعیاں پڑھا کرتے تھے۔ اس طرح اُنہوں نے رباعی کو معنوی وسعت دیتے ہوئے عوام تک پہنچایا۔

انیسؔ کے ہاں ساڑھے پانچ سو جبکہ دبیرؔ کے ہاں دو سو کے قریب رباعیات ہیں۔ انیسؔ کی رباعیاں " انیس الاخلاق " اور " رباعیاتِ انیسؔ " کے نام سے شائع ہو چکی ہیں۔

نمونہ کلام (رباعیات انیسؔ):

ـ " گلشن میں صبا کو جستجو تیری ہے
بلبل کی زباں پہ گفتگو تیری ہے
ہر رنگ میں جلوہ ہے تیری صورت کا
جس پھول کو سونگھتا ہوں بُو تیری ہے " (۳۰)

ـ " دولت کا ہمیں خیال آتا ہی نہیں
یہ نشۂ فُقر ہے جاتا ہی نہیں
لبریز ہیں یہ دولتِ استغناء سے
آنکھوں میں کوئی غنی سماتا ہی نہیں " (۳۱)

نمونہ کلام (رباعیات دبیرؔ)

ـ " یارانِ گزشتہ کی خبر خاک نہیں
ایسے ہو گئے کہ اب اثر خاک نہیں
چُن چُن کے کیا خاک ہنرمندوں نے
اے چرخ تجھے پھر بھی ڈر خاک نہیں " (۳۲)

ـ "اعمال کی تیرگی، وضو سے نہ گئی
ظلمتِ عصیاں شست وشو سے نہ گئی
پیری آئی جوانی گزری افسوس
بالوں سے سیاہی گئی رُو سے نہ گئی " (۳۳)

(د) اُردو رباعی کا دورِ جدید

رباعی کے اگلے دور میں حالؔی، اکبؔر اور اسمٰعیل میرٹھی نے رباعیات کے سلسلے کو آگے بڑھایا اور اصلاحِ ملت و معاشرہ کو رباعیات کا موضوع بنایا۔

حالؔی ادب برائے زندگی کے قائل تھے بقول علیم صبا نویدی کے حالؔی کی رباعیاں قوم کا مرثیہ معلوم ہوتی ہیں۔

دیوانِ حالؔی سے چند رباعیات ملاحظہ ہوں:

ے " آبا کو زمین و فلک پر اطمینان
اولاد کو سستی پر قناعت کا گمان
بچے آوارہ اور بے کار جوان
ہیں ایسے گھرانے کوئی دن کے مہمان " (۳۴)

ے " محنت کے پھل ہیں ہاں ہر ایک دامن میں
محنت ہی کی برکتیں ہیں ہر خرمن میں
موسیٰؑ کو ملی نہ قوم کی چوپانی
جب تک نہ چرائیں بکریاں مدین میں " (۳۵)

حالؔی کی سنجیدگی کے مقابلے میں اکبؔر آلہ آبادی نے اخلاقی و معاشرتی موضوعات کو طنز و مزاح کے پیرائے میں پیش کیا اس طرح اپنی خوش طبعی اور شگفتگی کے باعث رباعی کو نیا اسلوب اور آہنگ دیا۔ مغربیت کے سیلاب کو روکنے کے لیے اُنھوں نے اپنی شاعری کو ایک موثر حربہ بنایا۔

ے "تھی کیک کی فکر میں سو روٹی بھی گئی
چاہی تھی شے بڑی تو چھوٹی بھی گئی
واعظ کی نصیحتیں نہ مانیں آخر
پتلون کی فکر میں لنگوٹی بھی گئی" (۳۶)

ے "اکبر مجھے شک نہیں تیری تیزی میں
اور تیرے بیان کی دلآویزی میں
شیطان عربی سے ہند میں ہے بے خوف
لاحول کا ترجمہ کر انگریزی میں" (۳۷)

حالی اور اکبر کی طرح اسمٰعیل میرٹھی کا انداز بھی مصلحانہ ہے۔جبکہ شاد عظیم آبادی جن کی شاعری کا اصل میدان غزل ہے۔انہوں نے تقریباً تمام مروجہ اصنافِ سخن کو نہایت کامیابی سے برتا ہے۔اُن کی رباعیات بھی متغزلانہ ہیں اُن میں ندرتِ خیال اور فکر ونظر کی گہرائی پائی جاتی ہے۔اُنہوں نے تقریباً ۹۵ رباعیات لکھیں۔

نمونہ کلام (رباعی):

ے "آنکھیں نہ کھلیں وہ کم نگاہی نہ گئی
وہ کینہ کش و کہنہ خواہی نہ گئی
پیری نے تو بالوں کو کیا آ کے سفید
افسوس مگر دل کی سیاہی نہ گئی" (۳۸)

اُس دور کے دیگر شعراء میں امیر مینائی، داغ، نظم طباطبائی، شوق قدوائی، ریاض، چکبست اور عزیز لکھنوی وغیرہ کے ہاں بھی رباعیات ملتی ہیں۔مگر اُن میں کوئی قابلِ ذکر خصوصیت نہیں ہے۔

ان کے بعد جوش، امجد، فراق، محروم، رواں اور یگانہ کا دور آتا ہے۔خاص طور پر جوش، امجد اور فراق نے رباعی کو جدید رجحانات کے زیرِ اثر تسلسل و وحدتِ فکر اور فنی پختگی و ٹھہراؤ کے باعث غزل کے برابر لا کھڑا

کیا۔ اُس دور کے سب سے ممتاز رباعی گو شاعر جوشؔ ملیح آبادی ہیں۔ جنہوں نے انقلابی وسماجی رجحان کو نظم وغزل کے علاوہ رباعی کا بھی موضوع بنایا۔

بقول ڈاکٹر فرمان فتح پوری:

" فکری تسلسل، وحدتِ خیال، زورِ بیان، شکوہِ الفاظ اور قادرالکلامی
رباعی کی بنیادی ضرورتیں ہیں۔ چونکہ یہ چیزیں جوشؔ میں طبعاً موجود ہیں
اس لیے انہوں نے نظم کی طرح رباعی میں بھی بہت جلد ایک نمایاں جگہ بنالی"۔ (۳۹)

جوشؔ کی رباعیات کے دو مجموعے "جنون وحکمت" اور "سموم وصبا" کے نام سے شائع ہو چکے ہیں۔ جوش کی رباعیوں میں حسن وعشق کے علاوہ نئے سائینی انکشافات، فلسفیانہ نظریات اور دورِ حاضر کے جدید رجحانات ومسائل کو بہت خوبی سے بیان کیا گیا ہے۔

نمونہ کلام (رباعیات):

ے " گلشن کی روش پہ مسکراتا ہوا چل
بد مست گھٹا ہے لڑکھڑاتا ہوا چل
کل خاک میں مل جائے گا یہ زورِ شباب
جوشؔ تو آج بانکپن دکھاتا ہوا چل " (۴۰)

ے " ہر رنگ میں ابلیس سزا دیتا ہے
انسان کو بہر طور دغا دیتا ہے
کر سکتے نہیں گناہ جو احمق ان کو
بے روح نمازوں میں لگا دیتا ہے " (۴۱)

جوشؔ کے نسبت امجدؔ حیدرآبادی اول وآخر رباعی گو شاعر ہیں۔ وہ رباعی کے بڑے نباض اور اس فن کے ماہر تھے۔ اُن کی رباعیات میں قرآن وحدیث کے حوالے۔ تصوف کے رموز ونکات، دنیا کی بے ثباتی اور اخلاق و فلسفہ کے موضوعات ملتے ہیں۔

ڈاکٹر فرمان فتح پوری کے نزدیک اُردو رباعی میں امجدؔ کو وہی خصوصیات حاصل ہوگئیں جو فارس میں سرمدؔ وعمر خیامؔ کو۔ بلکہ مولوی وحیدالدین سلیم تو اُنہیں "زندہ سرمدؔ" تک قرار دیتے تھے۔

نمونہ کلام (رباعیات):

ـ "سانچے میں اجل کے ہر گھڑی ڈھلتی ہے
ہر وقت یہ شمعِ زندگی جلتی ہے
آتی جاتی ہے سانس اندر باہر
یا عمر کے حلق پر چھری چلتی ہے" (۴۲)

ـ "بے فائدہ کب ہے جبہ سائی اچھی
طاعت میں نہیں ہے خود نمائی اچھی
اِک سجدہ میں خاک کر دیا ہستی کو
حضرت تم سے تو دیا سلائی اچھی" (۴۳)

فراقؔ گورکھ پوری کو جدید اُردو غزل کے بانیوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ اگرچہ اپنے ہم عصروں کے مقابلے میں اُن کی رباعی گوئی کی عمر کم ہے پھر بھی اپنی فنی بصیرت، احساسِ جمال اور مضامین کی ندرت کے باعث بہت جلد درجہ اول کے رباعی نگاروں میں شمار ہونے لگے۔ فراقؔ کی رباعیوں کا مجموعہ "روپ" کے نام سے موجود ہے۔ ہندو کلچر و ثقافت سے بے حد متاثر تھے۔ اس لیے اُن کی رباعیات میں ہندی اور سنسکرت کے غیر مانوس اور ثقیل الفاظ کا جا بجا استعمال ملتا ہے۔

نمونہ کلام (رباعی):

ـ "مدھوبن کے بسنت سا سجیلا ہے وہ روپ
برکھا رت کی طرح رسیلا ہے وہ روپ
رادھا کی جھپک، کرشن کی برزوری
گوکل نگری کی رس لیلا ہے وہ روپ" (۴۴)

مندرجہ بالا ممتاز شعراء کے علاوہ تلوکؔ چند محروم، یگانہؔ، سیمابؔ اکبر آبادی، عبدالباری آسیؔ، آغا شاعر قزلباش وغیرہ صاحبِ دیوان رباعی گو شعراء گزرے ہیں۔

ان کے علاوہ آثرؔ لکھنوی موجودہ دور کے صفِ اول کے اُن شعراء میں شمار کیے جاتے ہیں جنہوں نے تقریباً تمام بڑی اصنافِ سخن پر طبع آزمائی کی اُن کے ہاں قدیم لکھنوی شعراء کا رنگ غالب ہے۔ اُن کی رباعیات وقطعات کا مجموعہ "لالہ وگل" کے نام سے معروف ہے۔

نمونہ کلام (رباعی):

ے " زنہار قدم نہ ڈگمگانے پائے
چتون پہ ذرا سا میل نہ آنے پائے
ہر لحظہ رہے نفس کی عزت کا خیال
سر جائے مگر بات نہ جانے پائے " (۴۵)

اسی طرح مہاراجہ کشن پرشادؔ، خواجہ دلؔ محمد، اخگرؔ مُرادآبادی صفیہ شمیمؔ وغیرہ کی رباعیات بھی قابل ذکر ہیں۔

ایسے میں رباعی نگاروں کی فہرست میں شاعرِ مشرق علامہ محمد اقبالؔ کے ہاں رباعیات کا ذکر کرنا ضروری ہے۔ اُن کے فارسی مجموعہ کلام "پیامِ مشرق" میں لالۂ طور کے نام سے رباعیات کا ایک حصہ موجود ہے ان میں سے ایک فارسی رباعی ملاحظہ ہو۔

ے " تراش از تیشۂ خود جادۂ خویش
براہ دیگراں رفتن عذاب است
گر از دست تو کارِ نادر آید
گناہے ہم اگر باشد ثواب است " (۴۶)

اس کے علاوہ اُن کے اُردو مجموعے "ضربِ کلیم" اور "بالِ جبریل" میں بھی رباعیات موجود ہیں۔

مثلاً

؎ "تیرے دریا میں طوفاں کیوں نہیں ہے
خودی تیری مسلماں کیوں نہیں ہے
عبث ہے شکوۂ تقدیر یزداں
تو خود تقدیر یزداں کیوں نہیں ہے" (۴۷)

سید ضیاء جعفری خیبر پختونخوا کے ان صوفی بزرگ شاعروں میں شامل ہیں۔ جنہوں نے نہ صرف اس خطے میں اُردو زبان وادب کو پروان چڑھایا بلکہ وہ ایک نثر نگار ہونے کے علاوہ ہمہ جہت شاعر بھی تھے۔ انہوں نے تقریباً تمام اصناف سخن پر طبع آزمائی کی۔ مگر رباعیات میں اُن کا ایک خاص مقام ہے خصوصاً خمریاتی رباعیات میں یدِ طولیٰ حاصل ہونے کی وجہ سے انہیں ''خیام سرحد'' اور بعد ازاں ''خیام ہند'' کا لقب ملا۔ ان کی رباعیات کا مجموعہ ''صبوحی'' کے نام سے ۱۹۴۹ء میں شائع ہوا۔

نمونہ کلام:

؎ ''ہے جام بکف ماہ تمام اے ساقی
ایسے میں پلا دے کوئی جام اے ساقی
مے اب بھی ہے زاہد کی نگاہوں میں حرام
پیتا ہوں میں لے کر تیرا نام اے ساقی'' (۴۸)

؎ ''مے خانہ کے دامن میں وہ پلتی ہوئی راتیں
شیشے میں صراحی میں وہ ڈھلتی ہوئی راتیں
ہیں یاد ابھی خواب فراموش کی صورت
فردوس جوانی کی مچلتی ہوئی راتیں'' (۴۹)

اس مقالے میں قدیم وجدید سب رباعی گو شعراء کا فرداً فرداً تذکرہ ممکن نہیں، کیونکہ کم ہی کوئی ایسا شاعر ہو گا جس نے دو چار رباعیاں نہ کہی ہوں۔ لہٰذا رباعی گوئی کے اس مجمل ارتقائی خاکے سے اس صنف کے مستقبل

کے حوالے سے کوئی مستقل بات کہنا تو ممکن نہیں البتہ اتنا اندازہ ہوتا ہے کہ رباعی ایک اعلیٰ اور بلیغ فکر کی حامل صنف ہے۔ ہندوستان میں ایک طویل عرصے تک انحطاط پذیر سیاسی وسماجی ماحول کے زیر اثر مسلمان اُردو شاعری میں وہ فکری ارتقاء پیدا نہ کر سکے۔ جو شاعری کو مقامی سطح سے بلند کر کے آفاقی سطح تک لے جاتا۔

غزل جیسی سخت جان صنف نے تو پھر بھی ہر دور میں اور ہر قسم کے حالات میں نہ صرف خود کو زندہ رکھا بلکہ مقبول ومعروف بھی رہی ۔البتہ رباعی جیسی سنجیدہ صنف کو جس حکیمانہ بالغ نظری اور فکری وحدت کی ضرورت تھی ۔ اُس کے لیے ماحول کبھی بھی سازگار نہ ہوسکا۔البتہ پچھلے پچاس ساٹھ برس سے رباعی نے جس طرح نئے سرے سے اپنا ایک رُخ متعین کیا ہے۔اُس سے اُمید ہے کہ آنے والے وقتوں میں یہ مزید ترقی کرے۔

بقول ڈاکٹر فرمان فتح پوری کے:

" کوئی عجب نہیں کہ آج کی مصروف ترین زندگی میں رباعی کو وہی مقام حاصل ہو جائے جو ناول اور طویل داستان کے مقابلے میں افسانے کو حاصل ہے "۔ (۵۰)

دراصل رباعی ایک ایسی صنف ہے جو داخلی و خارجی دونوں قسم کی شاعری کے لیے موزوں ومناسب ہے۔البتہ اگر ہم اُردو و فارسی کے کامیاب ترین رباعی گو شعراء کا جائزہ لیں تو اُن میں اکثریت اُن شعراء کی ہے جنہوں نے داخلی موضوعات کو زیادہ برتا۔خصوصاً جو صوفیانہ ماحول کے پروردہ اور عملی طور پر اُن واردات و تجربات سے گزرے۔

ان حالات میں پاکستان کے موجودہ شعری منظر نامے میں رباعی گو شعراء بہت قلیل ہیں۔جن میں سید محمد عظیم برخیاؔ المعروف قلندر بابا اولیاء نے ایک رباعی گو کی حیثیت سے خود کو منوایا۔

آپ ایک باعمل صوفی تھے۔یہی وجہ ہے کہ اُن کی شاعری اُن کے تجربات ومشاہدات پر مشتمل ہے۔

پروفیسر فقیر محمد عظیمی رباعیاتِ برخیاؔ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ

" قلندر بابا نے جب اپنے اندر پرورش پانے والے جذبہ شعر پسندی اور شعر گوئی کے جھرمٹ میں رباعیات لکھنے کا ارادہ کیا تو طبعی کم طاقتی کے باوجود اس مشن کی تکمیل میں ہمہ تن مصروف ہو گئے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ حضور بابا صاحب پر الہامی انکشافات کا نزول ہو رہا ہے۔آپ نے پانچ سو سے زائد رباعیاں خود اپنے قلم

سے بیاض پر رقم کر ڈالیں لیکن طباعت کے لیے رباعیات کی تعداد کم کرنے کا فیصلہ
کیا۔اس طرح آپ نے اس انتخاب سے تین سو سے زائد رباعیاں کم کر دیں
اور صرف 182 رباعیاں باقی رہنے دیں جو کتابی شکل میں سامنے آئیں"۔(۵۱)

خواجہ شمس الدین عظیمی صاحب کتاب "رباعیات" کے دیباچہ میں اس حوالے سے لکھتے ہیں کہ:

"رباعیات قلندر بابا اولیاء کے مطالعہ سے انسان کے اُوپر سے مادیت کا غلبہ ختم
ہو جاتا ہے۔تصوف کے قافلہ سالاروں نے ماضی میں جس طرح نثر اور شاعری
سے تصوف کی آب یاری کی ہے۔ان ہی نقوش قدم پر قائم مرشد کریم حضور
قلندر بابا اولیاء نے رباعیات لکھی ہیں۔قلندر بابا اولیاء کی رباعیات نے نسل
انسانی کے اندر ایک نئی روح پھونک دی ہے۔یہ رباعیات نوع انسانی کے لیے
و رثہ ہے۔جس کے ذریعہ آدم زاد خلافت و نیابت کا فراموش کردہ مقام
دوبارہ حاصل کر سکتا ہے"۔ (۵۲)

چونکہ میرے مقالے کا موضوع سید محمد عظیم برخیاؔ کی رباعیات کا تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ ہے۔لہٰذا اگلے
صفحات پر ہم مختلف حوالوں سے اُن کی رباعیات کا جائزہ لیں گے۔

حوالہ جات (باب دوم)

۱) مولوی فیروز الدین الحاج، فیروز اللغات، فیروز سنز کراچی ۱۹۸۵، ص۔۷۰۳

۲) اُردو انسائیکلو پیڈیا، کراچی، فیروز سنز، ۱۹۸۴، ص۔۵۱۵

۳) صابر سنبھلی ڈاکٹر، تمہید دواوینِ رباعیات، جید پریس، بلی ماراں، دہلی، ۱۹۹۸، ص۔۵

۴) شبلی نعمانی علامہ، شعرالعجم، مطبع معارف شبلی نعمانی، اعظم گڑھ ۱۹۴۰، ص۔۱۳

۵) نجم الغنی رام پوری مولوی، بحرالفصاحت، قومی کونسل برائے فروغ اُردو زبان، نئی دہلی، ۲۰۰۶، ص۔۱۱۴

۶) فرمان فتح پوری ڈاکٹر، اُردو رباعی، الوقار پبلی کیشنز، لاہور ۲۰۰۷، ص۔۵۷

۷) ایضاً، ص۔۵۴۔۵۵

۸) وحید اشرف ڈاکٹر، رباعی، بشیر وارثی پبلی کیشنز، حیدرآباد ۱۹۸۷، ص۔۷

۹) سلام سندیلوی ڈاکٹر، اُردو رباعیات، نسیم بک ڈپو، لکھنو، ۱۹۶۳، ص۔۱۱۲

۱۰) ایضاً، ص۔۱۱۵

۱۱) شبلی نعمانی علامہ، شعرالعجم (حصہ اول)، ص۔۱۹۳

۱۲) میر ولی اللہ، کاس الکرام، دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد، ۲۰۱۲، ص۔۹۰

۱۳) واقف، خیام الہند پروفیسر، رباعیات عمر خیام، مشورہ بک ڈپو، دہلی، ۱۹۶۰ء، ص۔۶

۱۴) سلام سندیلوی ڈاکٹر، اُردو رباعیات، ص۔۱۲۵

۱۵) ایضاً، ص۔۱۳۹

۱۶) ایضاً، ص۔۱۴۶

۱۷) ایضاً، ص۔۱۱۸

۱۸) ایضاً، ص۔۱۵۴

۱۹) ایضاً،ص۔۱۵۶

۲۰) بال مکند عرش ملیسانی، رباعیات سرمد، انڈین کونسل فار کلچرل ریلیشنز، نئی دہلی،۱۹۹۲،ص۔۳۷

۲۱) سلام سندیلوی ڈاکٹر، اُردو، رباعیات،ص۔۱۶۴

۲۲) ایضاً،ص۔۱۹۹

۲۳) فرمان فتح پوری ڈاکٹر، اُردو رباعی،ص۔۶۸

۲۴) سلام سندیلوی ڈاکٹر، اُردو رباعیات،ص۔۲۱۴

۲۵) فرمان فتح پوری ڈاکٹر، اُردو رباعی،ص۔۷۴

۲۶) سلام سندیلوی ڈاکٹر، اُردو رباعیات،ص۔۲۵۱

۲۷) ایضاً،ص۔۲۵۷

۲۸۔۲۹) فرمان فتح پوری ڈاکٹر، اُردو رباعی،ص۔۸۶

۳۰۔۳۱) ایضاً،ص۔۸۹

۳۲) ایضاً،ص۔۹۰

۳۳) ایضاً،ص۔۹۱

۳۴) علیم صبا نویدی، جہانِ اُردو رباعی، اُردو پبلی کیشنز، چنائی،۲۰۱۱،ص۔۳۰

۳۵) سلام سندیلوی ڈاکٹر، اُردو رباعیات،ص۔۳۵

۳۶۔۳۷) ایضاً،ص۔۴۵۰

۳۸) فرمان فتح پوری ڈاکٹر، اُردو رباعی،ص۔۹۹

۳۹) ایضاً،ص۔۱۰۷

۴۰) جوشؔ ملیح آبادی، جنون وحکمت (رباعیات)، محبوب المطابع برقی پریس، دہلی، س ن، ص۔۵

۴۱) ایضاً،ص۔۷

۴۲) احمد حسین امجد، رباعیات امجدؔ، اعجاز پرنٹنگ پریس، حیدرآباد دکن،۱۹۶۲،ص۔۴۶

۴۳) ایضاً،ص۔۴۸

۴۴ فضل حق کامل ڈاکٹر،مرتبہ فراقؔ گورکھپوری، جمال پرنٹنگ پریس، دہلی،۱۹۶۷،ص۔ ۷۶

۴۵) ایضاً،ص۔۷۸

۴۶ ا حمدایثار سید، پیامِ مشرق (منظوم اُردوترجمہ، دی بنگلور اکیڈمی) بنگلور،۱۹۹۷،ص۔۱۶۸

۴۷ محمداقبالؔ علامہ،ضربِ کلیم،الفیصل ناشران وتاجران کتب، لاہور،۱۹۹۱،ص۔۱۷۵

۴۸) ضیاجعفری سید،صبوحی، انجمن ترقی اردوسرحد، پشاور،۱۹۴۹،ص۔۲۰

۴۹) ایضاً،ص۔۲۵

۵۰) فرمان فتح پوری ڈاکٹر، اُردو رباعی،ص۔۱۴۸

۵۱) فقیرمحمدعظیمی پروفیسر،مضمون "رباعیاتِ قلندر بابا " مشمولہ روحانی ڈائجسٹ،جنوری۱۹۹۲ء،ص۔۳۸

۵۲) قلندر بابااولیاء، دیباچہ "رباعیات"

باب سوم

سید محمد عظیم برؔخیا کی رباعیات میں متصوفانہ عناصر

فصل اول: (ا) تصوف کیا ہے؟

(ب) تصوف کی مختصر تاریخ

(ج) تصوف کی اقسام اور اسلامی تصوف (اہم نظریات)

(د) سلاسلِ طریقت، موجودہ دور میں تصوف اور سلسلہ عظیمیہ

فصل دوم: اُردو میں صوفیانہ شاعری

فصل سوم: رباعیاتِ برؔخیا میں متصوفانہ عناصر

(ا) وحدت الوجود و شہود

(ب) معرفت باری تعالیٰ

(ج) جبر و اختیار

(د) بے ثباتیٔ دنیا

(ہ) پند و نصائح

فصل اوّل: (۱)

تصوف کیا ہے؟

تصوف کیا ہے؟ اور صوفی کون لوگ ہوتے ہیں؟ اس بارے میں مختلف لوگوں کی مختلف رائے ہے۔

ابونصر سراج کتاب اللمع میں لکھتے ہیں۔

"چونکہ صوفیاء اُون کا لباس پہنتے تھے اس لیے انہیں صوفی کہا گیا۔ کیونکہ عربی میں صوف اُون کو کہتے ہیں"۔ (۱)

"ایک گروہ کے مطابق صوفی صفا سے مشتق ہے اور لُغت میں صفا کا لفظ پاک بے لاگ اور کھرے کے لیے استعمال ہوا ہے۔ جبکہ بعض محققین کے خیال میں تصوف "صُفہ" سے نکلا ہے۔ رسولؐ اللہ نے مسجد نبویؐ میں بعض صحابہ کی تعلیم کے لیے "صُفہ" کے نام سے ایک چبوترہ بنوایا تھا۔ لہٰذا اصحابِ صُفہ کے ساتھ نسبت رکھنے کی وجہ سے یہ لوگ صوفی کہلاتے ہیں"۔ (۲)

"صوفی ایک یونانی لفظ ہے جس کا مادہ "سوف" ہے یونانی زبان میں سوف کے معنی ہے۔ یونانی لفظ تھیا سوفی کا ترجمہ "حکمتِ خُدا" ہے اس نقطۂ نظر سے "حکمت" صوفی کا اطلاق اس شخص پر کیا جائے گا جو اللہ تعالیٰ کی حکمت کا طلب گار ہو۔ جو لوگ کدورت، بغض و عناد، نفرت اور فساد سے پاک صاف ہو جاتے ہیں اُن کو صوفی کہا جاتا ہے۔"(۳)

اصطلاح میں تصوف سے مراد نفس کا تزکیہ ہے یہ اُس جذبہٴ اخلاص کا نام ہے جو ضمیر سے متعلق ہے اور ضمیر چونکہ نورِ باطن ہے اس لیے صوفی اللہ ہی کی معرفت سوچتا ہے۔ اُس کا جینا مرنا اور اُس کی گفتگو کا مرکز و محور اللہ کی ذات ہوتی ہے۔

تصوف میں جو بھی اعمال و اشغال، سالک کو تلقین کیے جاتے ہیں وہ سب اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسولؐ کے احکامات کے مطابق ہوتے ہیں۔

اس حوالے سے ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

(۱) " کہہ دیجئے اگر تم سچے دل سے اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو۔ اُس سے اللہ تعالیٰ بھی تم سے محبت کرنے لگے گا"۔ (۴)

(۲) "وہ لوگ اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں کھڑے بھی، بیٹھے بھی، لیٹے بھی"۔ (۵)

(۳) "بے شک نفس کو جس نے صاف کیا یعنی باطن کو پاکیزہ کیا وہ کامیاب
رہا اور جس نے اسے گندا کیا ناکام رہا"۔ (۶)

اور خاص طور پر "سورۃ العنکبوت" کی درج ذیل آیت میں ایسے ہی صوفیاء کے بارے میں ارشاد ہوا۔

(۴) "اور جو لوگ ہماری راہ میں مشقتیں برداشت کرتے ہیں۔ ہم انہیں اپنی راہیں
ضرور دکھا دیں گے یقیناً اللہ تعالیٰ نیکو کاروں کا ساتھی ہے"۔ (۷)

(۵) "ان یشاء اللہ ترفع درجت من تشاء"۔ (۸)

"اللہ تعالیٰ جس کے چاہے درجات بلند کر دیں"۔

بے شک اللہ تعالیٰ اپنے ایسے بندوں سے محبت کرتا ہے جو احسان کرنے والے، عدل و انصاف سے کام لینے والے اور صبر کرنے والے ہوں جن کے قول و فعل میں تضاد نہ ہو جو باعمل ہوں اور اپنے ظاہر سے زیادہ باطن کا خیال رکھنے والے ہوں کیونکہ اس کے بغیر اللہ تعالیٰ کا عرفان حاصل نہیں ہوتا۔

صحیح معنوں میں صوفی وہی ہوتا ہے جو اپنے باطن سے واقف ہوتا ہے اور اپنے باطن میں اللہ تعالیٰ کی صفات کا مشاہدہ کرتا ہے۔ اسی لیے تصوف کو مذہب کی روح کہا جاتا ہے اور ایک صوفی ہر اپنے پرائے سے بلاتفریق مذہب و ملت کے صرف اس لیے محبت کرتا ہے کہ وہ سب اللہ کی مخلوق ہیں اور اُس کے اس اخلاق و کردار سے متاثر ہو کر لوگ اسلام قبول کر لیتے ہیں۔

حضرت داتا گنج بخش ہجویریؒ "کشف المحجوب" میں فرماتے ہیں۔

"تصوف چیست"؟

"تصوف اخلاق است" (۹)

ترجمہ: تصوف کیا ہے؟

تصوف اخلاق ہے۔

یعنی دین اور دنیا میں عمدہ اخلاق کا برتاؤ کرنا۔

ڈاکٹر محمد حفیظ الرحمٰن کے نزدیک

"تصوف کوئی مذہب و مسلک یا مکتبِ فکر کا نام نہیں ہے جیسا کہ مختلف لوگوں نے اسے مذہب یا مسلک یا مکتبِ فکر کی حیثیت سے دیکھنے کی کوشش کی ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ تصوف اسلام کی روحانیت ہے جو چند مخصوص علماء کو اللہ تعالیٰ نے اس نور سے نوازا۔ جس طرح سے قرآن کے نور سے نبی کریمؐ کی عملی زندگی نے پوری دنیا کو منور کردیا"۔(۱۰)

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی اپنی کتاب "حجۃ اللہ البالغہ" میں حدیث جبرائیلؑ کے حوالے سے بتاتے ہیں کہ تصوف کا اصل مفہوم و واضح ثبوت اُس حدیث سے آیا ہے۔ جس میں حضرت جبرائیلؑ نے نبی پاکؐ سے دین کے بارے میں استفسار کیا۔

(مفہوم حدیث)

اس حدیث کی رو سے اسلام میں تین باتیں بطور خاص اہمیت رکھتی ہیں۔ اسلام۔ ایمان اور احسان۔ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پہ ایمان لاکر شریعت پر عمل پیرا ہونا اسلام ہے۔ اور اُن کے اعمال کے نتیجے میں جب ہر قسم کا شک و شبہ ختم ہوکر پختہ یقین حاصل ہوجائے وہ ایمان ہے جبکہ عبادت میں حضور و شہود حاصل ہوجائے تو یقین کے اس درجے کو تصوف میں مرتبہ احسان کہتے ہیں۔

"علماء انبیاء کے وارث ہیں یہ وہ علماء ہیں جنہوں نے دین کے ان تینوں اجزاء کو جمع کیا ہے۔ عالم جب تک تصوف وسلوک سے بے بہرہ ہے نہ وارثِ رسولؐ ہے نہ نائب رسولؐ"۔ (۱۱)

(ب) تصوف کی مختصر تاریخ

شیخ خواجہ شمس الدین عظیمی قلندر بابا اولیاء کی تصنیف "رباعیات" کے دیباچہ میں لکھتے ہیں۔

(۱) "غور وفکر کے نتیجے میں یہ بات منکشف ہوتی ہے کہ تصوف کی ابتداء حضرت آدمؑ سے ہوئی اور حضرت آدمؑ زمین پر پہلے صوفی ہیں۔انہیں اللہ تعالیٰ نے باطنی علوم سکھائے اور باطنی علوم کا دوسرا نام تصوف ہے اور یہی علم حضرت آدمؑ کا ورثہ ہے"۔

(۲) "اسلام میں روحانی زندگی کا آغاز حضورؐ کے زمانے میں ہوا۔حضورؐ اور انکے صحابہ کرامؓ ہر بات اور ہر عمل کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ ہی کی جانب متوجہ رہتے تھے، ان کا جینا مرنا سب اللہ تعالیٰ کے لیے تھا"۔(۱۲)

سیدنا حضورِ پاکؐ نے اپنے مخصوص شاگردوں کو باطنی علوم منتقل کیے۔جن میں خلفائے راشدین کے علاوہ بھی کئی ایک صحابہ کرامؓ شامل ہیں۔خاص طور پر صوفیاء، سلاسل طریقت کی ابتداء خلیفہ اول حضرت ابو بکر صدیقؓ اور خلیفہ چہارم حضرت علیؓ سے مانتے ہیں۔اس کے علاوہ نبی پاکؐ کے صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت جو اولین صوفیا کہلانے کی حقدار سمجھی جاتی ہے وہ اصحاب صفہ ہیں۔جن کے لیے مسجد نبویؐ میں ایک چبوترہ بنایا گیا تھا۔اور وہ دن رات عبادت وریاضت مجاہدہ نفس اور روحانی علوم کے حصول میں مشغول رہتے تھے۔

صحابہ کرام کے تربیت یافتہ شاگرد تابعین جبکہ تابعین کے تربیت یافتہ شاگرد تبع تابعین کہلائے۔تبع تابعین کے بعد جن لوگوں نے تزکیہ نفس کے ذریعے روحانی علوم حاصل کرنے کے لیے جدو جہد کی وہ صوفی کے نام سے جانے گئے اور جس شخص کو پہلی بار صوفی کے لقب سے پکارا گیا وہ ابو ہاشم کوفی تھے۔اُن کا دور پہلی صدی ہجری کا آخری دور تھا۔

"ان بزرگوں کے لیے صوفی کا لقب دوسری صدی ہجری سے پہلے عام ہو گیا تھا"۔ (۱۳)

" تفسیر، حدیث اور فقہ کی طرح علم تصوف بھی اسلامی علوم کا ایک شعبہ ہے اور دوسرے علوم کی طرح اس کی تدوین بھی بنواُمیہ کے عہد میں ہوئی"۔ (۱۴)

آٹھویں اور نویں صدی عیسویں میں جب خلافتِ عباسیہ خاص طور پر مامون الرشید کے دور میں ارسطو اور دیگر یونانی فلاسفہ کی کتابوں کا عربی زبان میں ترجمہ ہوا۔تو اُن کے مطالعہ نے اسلام کے اصولوں اور عقائد کو مشتبہ بنا

دیا۔اوراسلامی معاشرے میں شدید انتشار پیدا ہوگیا اور اقتصادی ترقی کی بنیاد منطق ،عقل اور دلیل پر رکھی گئی۔اُس دور کے مشہور صوفیاء حضرت جنید بغدادیؒ ،حضرت بایزید بسطامیؒ اور حضرت ذوالنون مصریؒ نے مادی عقلیت کے اس طوفان کا مقابلہ عشقِ الٰہی سے کیا۔

دسویں صدی عیسویں میں تصوف نے باقاعدہ ایک تحریک کی شکل اختیار کر لی اور اُس دور میں بہت سی مستند کتابیں لکھی گئیں جن میں یہ بتانے اور ثابت کرنے کی کامیاب کوشش کی گئی کہ تصوف ،سنت یا شریعت سے الگ کوئی چیز نہیں ہے۔اس حوالے سے شیخ علی ہجویری المعروف حضرت داتا گنج بخشؒ کی فارسی زبان میں لکھی گئی مشہور تصنیف " کشف المحجوب "اہم ترین کتاب ہے بارھویں صدی عیسویں میں مشہور صوفی بزرگوں امام غزالیؒ اور شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے تصوف کی واضح تشریح کرتے ہوئے اس کے اصول ونظریات کو ایک نصاب کی شکل دی۔

"بارھویں صدی کے آخر میں شیخ اکبر ابنِ عربی نے وحدت الوجود کے نظریہ کی تعبیر
اس طرح پیش کی کہ یہ تصوف کی روح بن گئی"۔ (۱۵)

"تیرھویں صدی عیسویں میں یہ ثابت ہوگیا کہ تصوف خدا کا وہ راستہ ہے جو حقیقی شکل
میں مذہب اسلام کو اپنی زندگی میں شامل کرنے اور تمام انسانوں کے ساتھ بہتر اخلاق
وکردار اور بہتر برتاؤ وسلوک قائم کرنے اور خود کو قرآن کے احکامات پر قائم کرنے
کا نام ہے"۔ (۱۶)

تیرھویں صدی کے صوفی شعراء نے ایسی صوفیانہ شاعری کی جس نے تصوف کی ترقی وترویج میں اہم کردار ادا کیا۔ان میں حکیم سنائیؒ ،حضرت خواجہ فریدالدین عطارؒ اور حضرت نظام گنجویؒ زیادہ مشہور ہیں۔

اسی طرح ہندوستان میں اسلام کی تبلیغ واشاعت کا کام پختہ اور منظم طریقے سے مشہور صوفی بزرگ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ ،خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ ،شیخ بابا فریدالدین مسعود گنج شکرؒ ،حضرت داتا گنج بخشؒ اور شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانیؒ وغیرہ کی تعلیمات اور حسنِ سلوک سے ہندوستان میں لاکھوں لوگ مسلمان ہوئے۔

(ج) تصوف کی اقسام اور اسلامی تصوف کے اہم نظریات

تصوف ایک قدیم علم ہے جو دنیا کی مختلف اقوام میں اُن کی مخصوص ذہنیتوں اور رجانات کا آئینہ دار ہوتا ہے لٰہذا ان کا ایک دوسرے سے مختلف ہونا لازمی بات ہے۔

تصوف کی دو قسمیں ہیں اسلامی تصوف اور غیر اسلامی یا عجمی تصوف۔

۱ ۔ اسلامی تصوف قرآن وحدیث اور آثارِ صحابہؓ سے ماخوذ ہے۔

۲۔ ہندوستان اور ایران میں نشو ونما پانے والا تصوف جس کا براہ راست تعلق اسلام سے نہیں بنتا۔ جبکہ

"پروفیسر سلیم چشتی غیر اسلامی تصوف کو اُس بوتل سے تشبیہ دیتے ہیں جس کے لیبل پر شربتِ گلاب لکھا ہوا ہو مگر اندر عرقِ بھنگ وافیون بھرا ہوا ہو"۔ (۱۷)

اسلامی تصوف کی بنیادیں قرآن حکیم اور سنت رسولؐ پر قائم ہیں۔ ان کے بغیر اسے نہیں سمجھا جا سکتا۔ اسی کی بدولت فرد کو تزکیہ نفس، عرفانِ ذات اور عرفانِ الٰہی حاصل ہوتا ہے۔

۱۔ "تم میں سے جسے بھی اپنے پروردگار سے ملنے کی آرزو ہو اسے چاہیے کہ نیک عمل کرے اور پروردگار کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے"۔ (۱۸)

۲۔ "بے شک اُس نے فلاح پالی جو پاک ہو گیا"۔ (۱۹)

اسلامی تصوف میں وہ سب باتیں شامل ہیں جو قرآن وسنت سے ماخوذ ہیں۔ جیسے بیعت، مرشد سے محبت، خلوت، اعتکاف، مجاہدہ، ذکر وفکر وغیرہ۔

عبدالماجد دریا آبادی کے نزدیک

"اسلامی تصوف وہ تھا جو خود سرکارِ کائناتؐ کا تھا جو ابوبکرؓ وعلیؓ مرتضٰی کا تھا جو سلیمانؓ وابوذرؓ کا تھا جس کی تعلیم جنید بغدادیؒ اور رابعہ بصریؒ نے دی جس کی ہدایت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ وشیخ سہروردیؒ، خواجہ معین الدین اجمیریؒ ومحبوب الٰہی دہلویؒ، خواجہ نقشبندیؒ ومجدد یہ سرہندیؒ کرتے رہے اور جس کی دعوت اس دور کے آخر میں شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی زبان وقلم دیتی رہی"۔ (۲۰)

اسلامی تصوف میں مسلمان صوفیا دو بڑے گروہوں میں بٹے ہوئے ہیں ایک گروہ وحدت الوجود جبکہ دوسرا وحدت الشہود کا عقیدہ رکھتا ہے۔ وحدت الوجود کو ہمہ اوست بھی کہا جاتا ہے یعنی سب کچھ خُدا ہے خُدا کے سوا کسی شے کا وجود نہیں یہ خُدا ہی ہے جو مختلف شکلوں میں جلوہ گر ہے اور وحدت الشہود، ہمہ از اوست بھی کہلاتا ہے یعنی تمام چیزیں خُدا سے ہیں کوئی چیز بذاتِ خود موجود نہیں بلکہ ہر شے اپنی ہستی کے لیے اللہ تعالیٰ کی محتاج ہے۔

شاہ ولی اللہ کے نزدیک یہ صرف ایک لسانی مسئلہ ہے درحقیقت یہ دونوں عقائد ایک ہی بات کرتے ہیں۔ وحدت الوجود کا نظریہ یا عقیدہ بہت پرانا ہے پر اسے پہلی بار بارھویں صدی عیسویں میں باقاعدہ طور پر شیخ محی الدین ابنِ عربیؒ نے واضح کیا۔ اُن کے مطابق خدا کُل جبکہ ساری کائنات اُس کُل کا جزو ہے۔ ہر شے کی اصل اللہ تعالیٰ ہے وہی کائنات کے اندر اور باہر ہر جگہ موجود ہے۔ اس کا تمام مظاہر میں ظہور ہے۔

وحدت الوجود کے ماننے والوں کا خیال ہے کہ

"دراصل وحدتِ ذاتِ خداوندی ہی نے کثرت کا روپ دھارا ہے۔ وحدت ہی کثرت کی شیرازہ بند ہے کثرت عیاں اور وحدت نہاں ہے وحدت حقیقت اور کثرت اس کی شیون ہے"۔ (۲۱)

عقیدہ وحدت الوجود کے لیے درج ذیل آیات سے استدلال کیا جاتا ہے۔

(۱) "اللہ تعالیٰ ہی اول ہے آخر ہے ظاہر ہے باطن ہے"۔ (۲۲)

(۲) "اللہ نور ہے زمین اور آسمانوں کا"۔ (۲۳)

(۳) "جہاں کہیں رُخ کرلو وہیں خدا کا سامنا ہے"۔ (۲۴)

(۴) "خدا ہی سب کچھ کو گھیرے ہوئے ہے"۔ (۲۵)

ایک موضوعی حدیث ہے

"میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا میں نے اپنی ذات کا اظہار چاہا تو اس کائنات کو پیدا کیا"۔ (۲۶)

اگرچہ شیخ ابن عربیؒ نے وحدت الوجود (ہمہ اوست) کو علمی انداز میں پیش کیا تھا مگر اکبری دور کے گمراہ صوفیوں نے غیر اسلامی تصوف کے زیرِ اثر نہ صرف حلول والحاد کی ہزاروں گمراہیوں کو وحدت الوجود کے نام سے منظر

عام پر لا رکھا تھا بلکہ عجمی عناصر ویدانت، بدھ مت، افلاطونیت، نوافلاطونیت، زرتشت وغیرہ کی تعلیمات اس میں شامل ہوئیں تو یہ نظریات اپنی اصل کھو بیٹھے۔ اس سے اسلام کی اصل تعلیمات کافی حد تک مسخ ہوئیں۔

"ان مدعیان بے خبر نے عوام کو یہ نعرہ دیا کہ دنیا میں جو کچھ ہے بس خدا ہی ہے زمین بھی خدا، آسمان بھی خدا، شجر وحجر، نباتات وجمادات بھی۔ ایسے میں سلسلہ نقشبندیہ کے صوفی بزرگ شیخ احمد سرہندی حضرت مجدد الف ثانیؒ نے ان گمراہ کن نظریات کے خلاف جنگ کی۔ ابن عربی کے نظریات اور صوفیائے خام کے نعروں میں امتیاز ثابت کیا۔ اور ان گمراہیوں کو روکنے کے لیے وحدت الشہود کی دیوار کھڑی کی جسے اہل علم نے تسلیم کیا"۔ (۲۷)

مجدد الف ثانیؒ کے نزدیک وحدت الشہود صرف ایک ذات ایک مشاہدے کا نام ہے۔ سالک کے مشاہدے میں ایک ذات کے علاوہ کوئی اور چیز نہیں ہونی چاہیے نہ ہی خالق اور مخلوق کبھی ایک ہو سکتے ہیں عالم اگرچہ حقیقی وجود نہیں رکھتا لیکن جس واردات میں پیدا کیا گیا ہے حقیقی اور اصل دکھائی دیتا ہے۔

بانی سلسلہ عظیمیہ محمد عظیم برخیا (قلندر بابا اولیاؒ) کے مطابق "وحدت الوجود اور وحدت الشہود دونوں کی اپنی جگہ اہمیت ہے اگر ہم دنیا کو باطنی نگاہ سے دیکھیں گے تو وحدت الوجود ہے اور اگر ظاہری نگاہ سے دیکھیں تو وحدت الشہود ہے۔ (۲۸)

اس حوالے سے خواجہ شمس الدین عظیمی خانوادہ سلسلہ عظیمیہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جب کُن (ہوجا) کہہ کر ساری کائنات اور مخلوق کو وجود بخشا تو ابتدائی طور پر تمام مخلوقات ایک سکوت، گمشدگی یا حیرت کے عالم میں تھیں۔ تصوف میں اس عالم کو عالم وجود کہتے ہیں۔ اور جب ربِ باری تعالیٰ نے "الست بربکم" (کیا میں نہیں ہوں تمھارا رب) کہہ کر اپنا تعارف کرایا تو مخلوق کو سماعت اور بصارت ملنے کے ساتھ اپنی ذات کا ادراک ہوا۔ اور انہوں نے "قالوٰ بلیٰ" کہہ کے رب کی ربوبیت کا اقرار کیا اس طرح مخلوق وحدت سے کثرت میں داخل ہوگئی۔ اُسے اپنے علاوہ دیگر مخلوقات کا بھی مشاہدہ ہوا۔ اس عالم کو عالمِ شہود کہتے ہیں۔

مزید ایک جگہ ان نظریات کی وضاحت میں کہتے ہیں

"وحدت الوجود یا وحدت الشہود یا وحدت کی اصطلاحات انسانی ذہن کی اپنی اختراع ہے۔انسان اپنی محدود فہم یا محدود فکری صلاحیت کے مطابق جو کچھ بیان کرتا ہے وہ انسان کی اپنی فکر کے اندر محدود ہوتا ہے یہ کہنا کہ وحدت الوجود وحدتِ باری تعالیٰ ہے ہرگز صحیح نہیں ہے یہ ممکن ہی نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کا مکمل اظہار ہو سکے۔ دراصل نگاہ کے کئی زاویے ہیں نگاہ کا بلاواسطہ (Direct) دیکھنا وحدت الوجود ہے۔ جبکہ نگاہ کا بلواسطہ (Indirect) دیکھنا وحدت الشہود ہے"۔ (۲۹)

(د) سلاسل طریقت، موجودہ دور میں تصوف اور سلسلہ عظیمیہ

اگر چہ نبی پاکؐ پر نبوت ختم ہو چکی ہے مگر اُن کے بعد فیضان نبوت کو جاری و ساری رکھنے کے لیے سیدنا حضورؐ کے وارث اولیاء اللہ کا جو ایک سلسلہ جاری ہوا تھا وہ تا حال جاری ہے۔ اور تا ابد جاری رہے گا۔

موجودہ دور میں روحانی علوم کی ترویج واشاعت کی اہمیت اور ضرورت بڑھتی جا رہی ہے۔ ان علوم کے انوار کو دنیا میں پھیلانے کے لیے روئے زمین پر بہت سے سلاسل ہمہ وقت کوشاں رہتے ہیں۔

عام معنوں میں سلسلۂ طریقت کو ایک روحانی خاندان کے شجرہ کی حیثیت سے پہچانا جا سکتا ہے۔ سلسلہ کو طریقہ تصوف بھی کہا جاتا ہے۔ حضرت علی ہجویری داتا گنج بخشؒ نے اسے گروہِ تصوف کا نام دیا ہے۔

> " دنیا میں تقریباً دو سو روحانی سلاسل ہیں جو شریعت و طریقت کے دائرہ کار میں رہتے ہوئے عرفانِ ذات، تسخیر کائنات کے فارمولوں اور پیغمبرانہ طرزِ فکر کی تعلیم دیتے ہیں"۔ (۳۰)

ان میں سے چار بنیادی سلاسل کا ذکر کرتے ہوئے مختلف ممالک میں ان کے اثر ونفوذ کے حوالے سے شاہ ولی اللہ دہلویؒ اپنے ایک مضمون میں تحریر فرماتے ہیں۔

> " سلسلۂ قادریہ عرب اور ہندوستان کا مشہور ترین سلسلہ ہے۔ سلسلۂ نقشبندیہ ہندوستان، ماوراالنہر اور حرمین میں زیادہ ہے۔ سلسلہ چشتیہ ہندوستان میں بہت مشہور ہے اسی طرح سلسہ سہروردیہ خراسان، کشمیر اور سندھ میں زیادہ رائج ہے"۔ (۳۱)

ان چار بنیادی سلاسل کے علاوہ ان کی بہت سی شاخیں ہیں۔ جن میں سلسلہ فردوسیہ، نوریہ، شطاریہ، شاذلیہ، غوثیہ، قلندریہ، عیدروسیہ، عیاضیہ، ادھمیہ، کرخیہ، محاسبیہ، حکیمیہ، طیفوریہ، عجمیہ، جنیدیہ، قصاریہ، سیاریہ، انصاریہ، کبرویہ، احمدیہ۔۔۔۔ اور بے شمار سلاسل کے علاوہ چودھویں صدی ہجری میں قائم ہونے والا " سلسلہ عظیمیہ " شامل ہے۔ اس سلسلہ کی تعلیمات کا دائرہ پاکستان میں زیادہ وسیع ہوا۔

جدید اور سائنسی خطوط پر استوار سلسلہ عظیمیہ مادیت کے غلبے سے پریشان حال مخلوق کو موجودہ حالات اور تقاضوں کے مطابق ظاہری تعلیمات کے ساتھ ساتھ روحانی اور باطنی علوم سکھانے کا کام بحسن وخوبی سرانجام دے رہا ہے۔

بقول خانوادہ سلسلہ عظیمیہ حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی صاحب:

> "قدرت اپنے پیغام کو پہنچانے کے لیے دیے سے دیا جلاتی رہتی ہے۔معرفت کی شمع ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں منتقل ہوتی رہتی ہے لہذا ہر گروہ اولیاء میں سے منتخب اور اکابر حضرات نے ہر زمانے میں طالبان حق کی عمومی حالت کو پیش نظر رکھ کر ایسے اذکار و اسباق مرتب کیے ہیں جن پر عمل پیرا ہو کر عرفانِ خُداوندی حاصل کر سکیں چونکہ ہر زمانے میں نوعِ انسانی کی شعوری اور جسمانی صلاحیتیں مختلف ہوتی ہیں۔اور خاص طور پر آج کے سائنسی دور میں کوئی بات اس وقت قابل قبول ہوتی ہیں جب اسے فطرت کے مطابق اور سائنسی توجیہات کے ساتھ پیش کیا جائے۔سلسلہ عظیمیہ کا مشن بھی یہ ہے کہ لوگوں کے اوپر تفکر کے دروازے کھول دیئے جائیں چنانچہ حالاتِ حاضرہ کے پیش نظر سلسلہ عظیمیہ کے اسباق واذکار مرتب کیے گئے"۔ (۳۲)

۱۹۶۰ء میں قائم کیے گئے سلسلہ عظیمیہ کے بانی حضرت سید محمد عظیم برخیاؒ المعروف قلندر بابا اولیاؒ کے ۲۷ جنوری ۱۹۷۹ء میں وصال کے بعد سلسلہ عظیمیہ کی سربراہی آپ کے خصوصی تربیت یافتہ روحانی فرزند خواجہ شمس الدین عظیمی صاحب کو ملی۔آپ نے اپنے مرشد قلندر بابا اولیاءؒ کی زیرِ سرپرستی ان کی زندگی میں بھی اور اُن کے وصال کے بعد بھی دونوں ادوار میں نہایت سرگرم کردار ادا کیا۔قرآن وسنت سے ماخوذ روحانی علوم اور سلسلہ عظیمیہ کی تعلیمات عام کرنے کے لیے اخبارات ورسائل میں مضامین تحریر کیے دو ماہنامے "روحانی ڈائجسٹ" اور "قلندر شعور" کے نام سے جاری کیے پمفلٹس لکھے۔بے شمار کتابیں اور کتابچے تحریر کیے۔

سالکین راہِ طریقت کی روحانی تعلیم وتربیت اور باہمی رابطے کے لیے خانقاہی نظام کی طرز پر پورے پاکستان اور بعد ازاں مختلف ممالک میں "مراقبہ ہال" کے نام سے بے شمار مراکز قائم کیے گئے ہیں۔اس سلسلہ میں

اولیاء اللہ کی سنت مراقبہ کو خاص اہمیت دی جاتی ہے اس لیے ان مراقبہ ہالز میں ذکر اذکار کے علاوہ مراقبہ کا خصوصی اہتمام کیا جاتا ہے۔

اس کے علاوہ " قلندر شعور اکیڈمی " کے نام سے بھی روحانی علوم اور تصوف کی تعلیم دینے کے لیے ایک ادارہ قائم کیا گیا ہے۔ سلسلہ عظیمیہ کی جانب سے ارکان سلسلہ کے لیے بالخصوص اور روحانی علوم کے متلاشی لوگوں کے لیے بالعموم بین الاقوامی اور قومی سطح پر کانفرنسز اور ورکشاپس منعقد ہوتی رہتی ہیں۔

> "اخباری کالم، خطوط کے براہِ راست جوابات اور بالمشافہ ملاقات کے ساتھ ساتھ لوگوں کی سہولت کے لیے سلسلہ عظیمیہ کی جانب سے مختلف شہروں میں روحانی فون سروس کا بھی اجراء کیا گیا ہے۔ جس سے عوام الناس کو مختلف مسائل کے روحانی علاج کے لیے مشاورت ورہنمائی فراہم کی جاتی ہے۔ معاشرے میں روحانی علوم کی ترویج اور مطالعہ کے فروغ کے لیے سلسلہ عظیمیہ نے پاکستان کے مختلف شہروں میں "عظیمیہ روحانی لائبریریز کا وسیع نیٹ ورک قائم کیا ہے"۔ (۳۴)

سلسلہ عظیمیہ موجود دور میں ایک بڑی روحانی خدمت سرانجام دے رہا ہے۔ ان کی تعلیمات میں دنیا بے زاری کی بجائے ہر قسم کے حالات میں اللہ تعالیٰ کی طرف یکسو رہنے کی تعلیم دی جاتی ہے۔

جامعہ کراچی ڈاکٹر وقار یوسف عظیمی کے لکھے گئے مقالے " سلسلہ عظیمیہ اور اس کی علمی وسماجی خدمات کا تحقیقی جائزہ" پر پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری جاری کر کے علمی قدر شناسی کا ثبوت دے چکی ہے۔

اسی طرح علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کی طرف سے ڈاکٹر یاسر ذیشان عظیمی کے مقالے ''اُردو کے صوفیانہ ادب کی نشو ونما میں سید محمد عظیمؒ کا حصہ'' پر انہیں پی ایچ ڈی کی ڈگری تفویض کی گئی ہے۔

فصل دوم

اُردو میں صوفیانہ شاعری

اُردو شاعری کے کسی بھی دور کی بات کی جائے اُس میں تصوف کی مضامین کا عکس اور پرتو ضرور نظر آئے گا کیوں کہ تصوف نے جہاں عام انسانی زندگی کو اپنی لپیٹ میں لیا۔ وہاں یہ ادبی اصناف پر بھی اثر انداز ہوا۔

شاعری ایک احساس اور وجدان کا نام ہے شاعری نے ہمیشہ داخلیت کی بات کی اور داخلیت روحانیت ہے یہ ایک ایسا حسین داخلی احساس اور روحانی استعداد ہے جس کے ذریعے انسان اپنے لطیف خیالات و محسوسات کو وسیلہ اظہار بناتا ہے۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ اُس میں روحانی تجربات واقدار کی ترجمانی نہ کی جائے۔ صوفی شاعری انسان کے باطن کی اصلاح کرتے ہوئے روح پر گہرے اثرات مرتب کرتی ہے۔ یہ نہ صرف ربِ باری تعالیٰ سے اپنے عشق کا اظہار ہے بلکہ انسانیت سے بھی محبت اور امن کا درس ہے۔ یہ انسان پر دُنیا اور زندگی کی حقیقت واضح کرتی ہے۔

صوفیانہ کلام در اصل اسلامی نظامِ فکر کی روح کو سمجھنے اور اُسے اختیار کرنے کی ایک شعوری کوشش ہے۔ تصوف کا اصل منبع قرآن وسنت ہے۔ حیرت انگیز طور پر عربی شاعری میں عارفانہ کلام کا فقدان ہے۔ جبکہ فارسی ادب خصوصاً شاعری کا ایک بڑا حصہ معرفت وروحانیت کے افکار و خیالات پر مشتمل ہے اور فارسی شاعری کے زیرِ اثر اُردو شاعری کو تصوف بھی گویا ورثے میں ملا۔

یہ تصوف ہی تھا جس کی بدولت حافظؔ، سعدیؔ، عمر خیامؔ اور علامہ اقبالؔ کی شاعری کو وہ مقام ملا جو دیگر شعراء نہ پا سکے۔ تصوف اسلام کی اُس روحانیت کا نام ہے جو کسی کے اندر جذب ہو کر اُس کا رنگ بدل دیتا ہے۔ اور اُس کی شخصیت پورے عالم میں ایک جداگانہ حیثیت حاصل کر لیتی ہے۔

اُردو ادب میں صوفیانہ شاعری دو طرح سے ملتی ہے ایک تو وہ شاعر ہیں جو خود صاحب تجربہ اور باعمل صوفی تھے۔ اُن کا مسلک و مشرب ہی صوفیانہ تھا۔ ان کی شاعری میں اُن کے ذاتی تجربات و مشاہدات ہی کی بدولت صوفیانہ حقائق ملتے ہیں۔

دوسرے وہ شعراء جو صوفی نہ تھے مگر زمانے کی روایت اور حالات کے تقاضوں کے تحت اُنہوں نے

" تصوف برائے شعر گفتن خوب است " کے پیش نظر صوفیانہ موضوعات کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا۔

مشرقی صوفیاء میں ہمیں ابتداء ہی سے دو مکتب فکر نظر آتے ہیں ایک وہ صوفیاء جن کے افکار میں خوفِ الٰہی پر زیادہ زور ہوتا ہے اور دوسرے وہ جو محبت الٰہی پر زور دیتے ہیں۔ دوسری صدی ہجری میں روحانی شاعری میں عشقِ الٰہی کی علم بردار رابعہ بصری (۹۸ھ تا ۱۸۵ھ) تھیں اور دراصل اسی مؤخر الذکر طبقے سے ہمیں متصوفانہ شعر و ادب کا سلسلہ شروع ہوتا نظر آتا ہے۔ عربی سے فارسی اور فارسی سے پھر اُردو شاعری میں ہمیں یہ تسلسل ملتا ہے۔

> " تصوف ایک ایسا مسلک ہے جس کا مقصد عرفانِ ذات بھی ہے اور اپنے وسیع معنوں میں عرفانِ خُداوندی بھی۔ یہی سبب ہے کہ تصوف برائے شعرِ گفتن خوب است کے مصداق روحانی اقدار کو ترجیح دی جاتی رہی۔ بالخصوص مشرقی شاعری جس میں اُردو شاعری کی عظیم روایت بھی شامل ہے۔ ابتداء ہی سے متصوفانہ رجحان سے وابستہ رہی ہے "۔ (۳۴)

اُردو شاعری فارسی شاعری سے براہ راست متاثر ہوئی تصوف اور عرفانی شاعری کی جڑیں ایران اور فارسی شاعری میں دور تک پیوست ہیں۔ فارسی کا تمام عالمی ادب تصوف سے لبریز ہے۔

> " فارسی شاعری میں صوفیانہ خیالات کی ترجمانی، حقائق و معارف کی آگہی، وارداتِ قلبی کی اثر پذیری، مشاہدات کی جلوہ سامانی کی اتنی شدت اور کثرت تھی کہ اُردو زبان و ادب اس سے دامن نہ بچا سکی "۔ (۳۵)

فارسی کے اہم صوفی شعراء میں ابو سعیدؒ ابوالخیر، حکیم سنائیؒ، عطارؒ، مولانا رومؒ، حافظؒ، سعدیؒ، اوحدیؒ، مغربیؒ اور عراقیؒ کے نام ملتے ہیں۔

ڈاکٹر رضا حیدر کی تحقیق کے مطابق:

> " روحانیت کی اساس شاعری کے باقاعدہ آغاز کا سہرا پانچویں صدی ہجری میں حکیم سنائی کے سر ہے "۔ (۳۶)

اُردو شاعری میں روحانیت اور وسیع المشربی کا خاصا عمل دخل اس وجہ سے بھی ہے کہ تصوف انسانی وجود کا کلیدی عنصر بن کر نہ صرف زندگی کا رنگ بدل دیتا ہے بلکہ وقت کی مصلحتوں اور شاعری کے تقاضوں کو بھی پورا کر سکتا ہے۔ اُردو کی قدیم و جدید شاعری نے تصوف کے تمام عقائد اور مسائل کو بڑی کامیابی سے خود میں جذب کر لیا۔

توحید، معرفت، ہمہ اوست، فنا و بقاء، جبر و قدر، صبر و قناعت، توکل اور شرک جیسے صوفیانہ اجزاء سے آج اُردو ادب کا دامن معمور ہے۔

اُردو شاعری نے فارسی شاعری کی روایات کو ہندوستان کی تہذیبی اقدار سے ہم آہنگ کر کے اُسے وسیع بنیادوں پر استوار کیا۔ خصوصاً مغلوں کے عہد میں بیک وقت کئی زبانوں کو عروج ملا۔ اور ملا جُلا ادب وجود میں آیا۔ اگر اُردو شاعری کے ابتدائی دور کا جائزہ لیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ اُردو زبان و ادب کی تخلیق اور نشو و نما میں صوفیاء کرام کا ہمیشہ سے بڑا حصہ رہا ہے۔ اُنہوں نے شعر و نثر دونوں کو عام لوگوں کی رشد و ہدایت کا ذریعہ بنایا۔ چونکہ شاعری کا بنیادی محرک تصوف تھا۔ لہٰذا زبان اور تحریر سے تصوف کی تعلیمات کو عوام تک کامیابی سے پہنچانے کے لیے بول چال کی زبان کو اختیار کیا گیا۔

ہندوستان میں اُردو میں صوفیانہ کلام کے حوالے سے ہمیں سب سے پہلے خواجہ فرید الدین مسعود گنج شکرؒ (متوفی ۱۲۶۵ء) کا نام ملتا ہے۔ جن کا مرکزِ رُشد و ہدایت پنجاب کا شہر پاک پتن تھا۔ آپ نے تخلیق شعر میں وہی عمل سے کام لیا۔

آپ کے صوفیانہ کلام کا نمونہ ملاحظہ ہو۔

؎ "تن دھونے سے دل جو ہوتا پوک
پیش رو اصفیا کے ہوتے غوک
خاک لانے سے گر خُدا پائیں
گائے بیلاں بھی واصلاں ہوجائیں" (۳۷)

حضرت امیر خسروؒ (متوفی 1324ء) حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ کے مرید تھے آپ نے موسیقی اور شعر و ادب میں لاتعداد اختراعات کیں۔ آپ کی تصنیف "خالق باری" سے صوفیانہ کلام کی مثال:

؎ سب سکھین کا پیا پیارا
سب میں ہے اور سب سوں نیارا (۳۸)

حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو درازؒ (متوفی 1422ء) ایک جلیل القدر صوفی بزرگ تھے۔ آپ کی کتاب

"معراج العاشقین" بہت معروف اور ممتاز ہے۔آپ نے اہل ہند کو خود شناسی کا درس دیا۔ان کا نمونہ کلام:

ے یوں کھوئے خودی اپنی خدا ساتھ محمدؐ

جب کُھل گئی خودی تو خدا بِن نہ کوئی دِسے (۳۹)

حضرت شمس العشاق شاہ میراں جی (متوفی ۱۴۹۶ء) خواجہ بندہ نواز گیسو دراز سے فیض حاصل کیا۔آپ نے ہندوی (اُردو) میں کئی رسالے سلوک و معرفت پر تصنیف فرمائے۔جن میں "شہادۃ الحقیقت" مشہور و معروف ہے۔اُن کے صوفیانہ کلام میں سے نمونہ کلام:

ے "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم تو سبحان

یہ سب عالم تیرا رزاق سبھوں کیرا

تجھ بن اور نکوئے تا خالق دوجا ہوئے

جے تیرا ہوئے کرم تو ٹوٹے سبھی بھرم " (۴۰)

آپ کے صاحبزادے شیخ برہان الدین جانم (متوفی ۱۵۸۲ء) نے تصوف اور سلوک پر متعدد منظوم رسائل تصنیف کیے۔

ے " اللہ پاک منزہ ذات

اس سوں صفتاں قائم سات

علم ارادت قدرت بار

سنتا، دیکھتا، بولن ہار " (۴۱)

شیخ عبدالقدوس گنگوہی (متوفی ۱۵۳۸ء) ہندی زبان کے شاعر تھے۔اُنہوں نے اپنی تالیف "رُشد نامہ" میں تصوف اور وحدت الوجود کے نکات بیان کیے ہیں۔

ے "صدق رہبر صدق توشہ، منزل دل رفیق

ست نگری، دھرم راجہ، جوگ مارگ " (۴۲)

ان کے علاوہ جن صوفی بزرگوں نے تصوف کو موضوعِ سخن بنایا ان میں شاہ نیاز بریلویؒ، شاہ تراب علی قلندرؒ،

شیخ حمیدالدین ناگوریؒ، شیخ مشرف الدین احمد یحیٰی منیریؒ، بوعلی قلندرؒ پانی پتی، شیخ برہان الدین غریبؒ، سید محمد جونپوریؒ، شیخ خوب محمد چشتیؒ، باباشاہ حسینیؒ، شیخ اخی سراجؒ، شیخ بہاءالدین باجنؒ وغیرہ شامل ہیں۔

صاحب حال صوفی بزرگوں کے علاوہ بے شمار شعراء ایسے ہیں جن کے کلام کا ایک بڑا حصہ صوفیانہ افکار پر مشتمل ہیں اُن میں سے چند نمایاں شعراء کا ذکر شامل مقالہ کیا جاتا ہے۔

وؔلی دکنی متوفی (۱۷۴۲ء) نے علماء اور صوفیاء سے عملی طور پر روحانی، مذہبی اور اخلاقی فیض حاصل کیا۔ اُن کے کلام میں قرآنی آیات اور احادیث سے ماخوذ تلمیحات، مذہبی علوم اور تصوف کی اصطلاحات بکثرت ملتی ہیں۔ وحدت الوجودی عقائد کے زیر اثر دنیا کی بے ثباتی کے مضامین بہت زیادہ ہیں۔

ے "خیالِ خام کوں جو کئی کہ دھووے صفحہ دل سوں
تصوف کے مطالب کوں وہ مشکل کر نہیں گنتے
بغیر از معرفت سب بات میں گر کئی اچھے کامل
کوئی سب اہلِ عرفاں اس کوں کامل کر نہیں گنتے " (۴۳)

خواجہ میر دؔرد متوفی (۱۷۸۵ء) ایک صوفی شاعر ہیں۔ فکری سطح پر ان کے کلام میں تصوف کا رنگ غالبؔ ہے۔ بقول محمد حسین آزؔاد:

"تصوف جیسا اُنہوں نے کہا اُردو میں آج تک کسی سے نہ ہوا"۔ (۴۴)

عرفانِ خداوندی، وحدت و کثرت، فنا و بقا، صبر و استقامت کے مضامین ان کے ہاں بکثرت ملتے ہیں۔

صوفیانہ نمونہ کلام:

ے "جگ میں آ کر اِدھر اُدھر دیکھا
تو ہی آیا نظر جدھر دیکھا "

ے "نظر میرے دل کی پڑی دردؔ کس پر
جدھر دیکھتا ہوں وہی رو برو ہے " (۴۵)

میر تقی میرؔ متوفی (۱۸۱۰)ء کے کلام میں ذاتی غموں اور زمانے کے دُکھوں کے ساتھ ساتھ دُنیا کی بے ثباتی، قناعت اور دیگر صوفیانہ موضوعات بھی ملتے ہیں۔

صوفیانہ نمونہ کلام:

ے "تھا وہ تو رشکِ حُور بہشتی ہمیں میں میرؔ
سمجھے نہ ہم تو فہم کا اپنی قصور تھا"

ے "سرسری تم جہاں سے گزرے
ورنہ ہر جا جہانِ دیگر تھا" (۴۶)

خواجہ حیدر علی آتشؔ متوفی (۱۸۴۶ء) نے لکھنؤ کی رنگین فضا میں رہ کر بھی صوفیانہ زندگی بسر کی۔ تصوف سے اُنہیں قلبی لگاؤ تھا۔ وہ ایک صاحبِ حال صوفی تھے۔

صوفیانہ نمونہ کلام:

ے "ماسوا تیرے نہیں رہنے کو کچھ یاں باقی
جو ہے فانی ہے، تیری ذات ہے الا باقی"

ے "کون عالم میں ہے ایسا جو نہیں سربسجود
کس کی گردن کو جھکا تا نہیں احساس تیرا" (۴۷)

شہنشاہِ سخن مرزا اسداللہ خان غالبؔ متوفی (۱۸۶۹ء) کے ہاں فلسفیانہ خیالات کی بہت سی تہیں ملتی ہیں۔ غالبؔ کے تفکر میں وحدت الوجود کے عقیدے کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ اُن کے ہاں تصوف ابدی گہرائی اور گیرائی کے ساتھ موجود ہے۔

صوفیانہ نمونہ کلام:

ے "کہہ سکے کون کہ یہ جلوہ گری کس کی ہے
پردہ چھوڑا ہے وہ اُس نے کہ اٹھائے نہ بنے"

ے "دہر جز جلوۂ یکتائی معشوق نہیں
ہم کہاں ہوتے اگر حسن نہ ہوتا خود بیں" (۴۸)

مولانا الطاف حسین حالیؔ متوفی (۱۹۱۴ء) کی ملی شاعری کے علاوہ اُن کی طویل نظم مسدس حالی (مدو جزر اسلام) کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ آپ کی شاعری اخلاقی مضامین سے بھری پڑی ہے۔ آپ کے ہاں متصوفانہ انداز فکر بھی ملتا ہے۔

ے "دیکھ اے بلبل ذرا گلبن کو آنکھیں کھول کے
پھول میں گر آن ہے، کانٹے میں بھی اک شان ہے"

ے "ایمن میں آگ لگ چکی اور طور جل چکا
اس نے نقاب رُخ سے اُٹھایا نہیں ہنوز" (۴۹)

شاعر مشرق علامہ محمد اقبالؒ متوفی (۱۹۳۸ء) کو اپنے پی ایچ ڈی (Ph.D) کے مقالے کے دوران تصوف کے نظامِ فکر کو سمجھنے کا پورا موقع ملا۔ اُن کے ابتدائی کلام میں وحدت الوجود کے اثرات نظر آتے ہیں۔ بعد میں اُن کی شاعری سے ابھرنے والا روحانی نظام ہمیں تصوف کے مروجہ نظریات سے ماورا نظر آتا ہے۔ اُنہوں نے اپنی خودی کو اسلامی تصوف سے ہم آہنگ کر دیا۔ وہ رضائے الٰہی کے حصول کے لیے اطاعتِ الٰہی اور اطاعت رسولؐ کے قائل تھے۔

صوفیانہ نمونہ کلام:

ے "خودی کا سرِ نہاں لا اِلٰہ اِلا اللہ
خودی ہے تیغ فساں لا اِلٰہ اِلا اللہ"

؎ "اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغِ زندگی
تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن اپنا تو بن "

؎ " کی محمدؐ سے وفا تونے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح وقلم تیرے ہیں " (۵۰)

اصغر گونڈوی متوفی (۱۹۳۶ء) مجاز کے راستے سے مطلقِ حقیقی تک پہنچے آپ کے کلام میں سلوک ومعرفت کے مضامین کے علاوہ وحدت الوجود کا رنگ بھی واضح طور پر نظر آتا ہے۔

؎ " جو نقش ہے ہستی کا دھوکہ نظر آتا ہے
پردے پہ مصور ہی تنہا نظر آتا ہے "

؎ " تیرا جمال ہے، تیرا خیال ہے، تو ہے
مجھے یہ فرصتِ کاوش کہاں کہ کیا ہوں میں " (۵۱)

رئیس المتغزلین مولانا حسرتؔ موہانی متوفی (۱۹۵۱ء) ایک درویش صفت انسان تھے اُن کے کلام میں ابتداء ہی سے تصوف کا رنگ غالب تھا۔

نمونہ کلام:

؎ " میرا ایمان عجب کیا ہے، جو ایمان تصوف ہے
تصوف جانِ مذہب، عاشقی جانِ تصوف ہے "

؎ " عشق سے تیرے بڑھے کیا کیا دلوں کے مرتبے
مہر ذروں کو کیا، قطروں کو دریا کر دیا " (۵۲)

جگر مراد آبادی متوفی (۱۹۶۱ء) کے کلام میں روحانیت کی جھلک جا بجا ملتی ہے۔تصوف کے مضامین کو آپ نے بڑی خوبی سے رقم کیا۔

ے " ہجومِ تجلّی سے معمور ہو کر
نظر ہو گئی شعلۂ طور ہو کر "

ے " یہ محفل ہستی بھی کیا محفل ہستی ہے
جب کوئی اُٹھا پردہ میں خود ہی نظر آیا " (۵۳)

مندرجہ بالا چند مثالوں کے علاوہ بھی بے شمار اُردو شعراء کے کلام میں صوفیانہ عناصر ملتے ہیں۔اُنہوں نے تصوف کے مختلف مسائل کو موضوعِ سخن بنایا۔

فصل سوم رباعیاتِ برخیا میں متصوفانہ عناصر

قیامِ پاکستان کے بعد اُردو کے شعری منظر نامے کا اگر بنظر غائر جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہاں کئی شعراء کے ہاں تصوف کا اچھا خاصا عمل دخل ملتا ہے۔ البتہ اُردو شاعری میں رباعیات پر بہت کم طبع آزمائی کی گئی ہے۔ ایسے میں بطور رباعی گو شاعر کے قلندر بابا اولیاء کی صوفیانہ رباعیات کو کسی صورت نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ قلندر بابا کا تصوف محض نظریہ یا عقیدہ نہیں بلکہ آپ ایک صاحبِ عمل اور بالذات صوفی تھے۔ لہٰذا آپ شاعری کے جس دبستان سے تعلق رکھتے ہیں اُس کا سرچشمہ تصوف ہے۔ اُن کی رباعیات علم وعرفان کا ایک ایسا ذخیرہ ہیں جس سے طالبانِ حق بقدرِ توفیق واستعداد فیض یاب وسیراب ہوتے رہیں گے۔

تصوف اور اُس کے مسائل چونکہ اُن کے ہاں واردات وکیفیات کی صورت میں موجود ہیں۔ اس لیے اُن کی رباعیات ایک شاعرانہ تجربہ بن کر سامنے آئیں۔ آپ کی رباعیات قرآن وسنت کے حسین امتزاج پر مبنی ہیں۔ چونکہ اللہ اور رسولِ پاک ؐ سے محبت اور ان کے احکامات کی پیروی ہی ایک صوفی کا نصب العین ہوتا ہے۔ چنانچہ آپ نے اپنی رباعیات میں فرمانِ الٰہی اور ارشاداتِ نبویؐ کے ذریعے تصوف کے خشک اور نازک مسائل اور اس کے مختلف پہلوؤں کو اس طرح اُجاگر کیا ہے کہ جس سے نہ صرف نسل انسانی پر تفکر کے دروازے کھل جائیں وہ مادیت کے غلبے سے باہر نکل آئے بلکہ اپنی زندگی کے اصل مقصد اور کائنات کے اسرار و رموز سے بھی واقف ہوسکے۔

بقول خواجہ شمس الدین عظیمی:

"رباعیاتِ قلندر بابا اس بات کا زندہ جاوید ثبوت ہیں کہ حضور قلندر بابا اولیاء کی ذاتِ گرامی سے شرابِ عرفانی کا ایک ایسا چشمہ پھوٹ نکلا ہے جس سے رہروانِ سلوک نشۂ توحیدی میں مست و بے خود ہونے کے لیے ہمیشہ سرشار ہوتے رہیں گے"۔ (۵۴)

یہاں تصوف کے مختلف عناصر کو سامنے رکھتے ہوئے قلندر بابا کی رباعیات کا جائزہ لیا جائے گا اور یہ واضح کیا جائے گا کہ اُنھوں نے کس طرح تصوف کے بیشتر موضوعات کو اپنی رباعیات کا حصہ بنا کر مخلوق خدا کی رہنمائی کے لیے پیش کیا ہے۔

(۱) وحدت الوجود وشہود

صوفیا ترجیحاً توحید پر زور دیا کرتے ہیں۔ محبوبِ حقیقی کی معرفت کے حصول کے بعد اُسے اپنے اپنے انداز سے دوسروں تک پہنچاتے ہیں۔ وحدتِ باری تعالیٰ کے حوالے سے صوفیا میں مشہورِ عام دو نظریات وحدتِ الوجود اور وحدتِ الشہود کا تفصیلی ذکر ہو چکا ہے۔ صوفیا عموماً اپنی نظریات میں سے کسی ایک یا پھر بعض اوقات دونوں کے مختلف پہلوؤں کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا پیغام پہنچاتے ہیں۔ برصغیر کے شعری اُفق پر وحدت الوجود صوفی شعراء کا مقبول ترین موضوع رہا ہے۔

قلندر بابا اولیاء کے ہاں ہمیں ان دونوں نظریات کی جھلک اُن کے مخصوص انداز میں ملتی ہے۔ اُن کے یہاں تصوف محض وجودی یا شہودی فلسفے کا اظہار ہی نہیں بلکہ ان حوالوں کی اوٹ میں وہ دیگر متعلق بنیادی اور ذیلی موضوعات کو بھی ساتھ ساتھ نمایاں کرتے ہیں۔ ایسے موضوعات جن کا تعلق براہِ راست اخلاقیات سے منسلک رہتا ہے۔

جیسا کہ ایک جگہ فرماتے ہیں۔

" آدم کا کوئی نقش نہیں ہے بے کار
اس خاک کی تخلیق میں جلوے ہیں ہزار
دستہ جو ہے کوزہ کو اُٹھانے کے لیے
یہ ساعدِ سیمیں سے بنا تا ہے کمہار " (۵۵)

قلندر بابا کی یہ رباعی ایک طرف تو آیاتِ ربانی۔

"بے شک ہم نے انسان کو احسنِ تقویم میں پیدا کیا اور پھر اسے پستی کی انتہائی حالت تک پہنچا دیا لیکن جو ایمان لائے اور نیک عمل کرے ان کے لیے بے انتہا اجر ہے"۔ (۵٦)

اور دوسری طرف درج ذیل عربی مقولے کی تفسیر معلوم ہوتی ہے۔

"مَنْ عَرَفَ نَفْسَہ، فَقَدْ عَرَفَ رَبَّہ۔"

(جس نے خود کو پہچانا اُس نے اپنے رب کو پہچانا)۔ (۵۷)

اس رباعی میں قلندر بابا عظمتِ آدم کا ذکر کرتے ہوئے یہ واضح کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کسی بھی انسان کو بے کار پیدا نہیں کیا۔ ہر انسان کی تخلیق خود میں بے شمار رازوں کو سموئے ہوئے کائناتی روشنیوں سے عبارت ہے۔ ہر تخلیق میں اللہ تعالیٰ کی صناعی کے ہزاروں رنگ اور فارمولے دکھائی دیتے ہیں۔ جو آپس میں ردو بدل ہو کر مختلف تخلیقات کا روپ دھار لیتے ہیں۔ خصوصاً انسان کا ہر نقش خالق کی صفات و کمالات کا آئینہ دار ہے۔

روحِ انسانی امرِ ربی ہے اور اس لطیف نُور کی بظاہر کثیف خاک سے کسی بھی طرح مطابقت نہیں مگر یہ ربِ تعالیٰ کی شان ہے کہ اُس نے مٹی کے ارب ہا جلوؤں کو الگ الگ صورتیں دیں۔

اس رباعی میں خاک کی تخلیق میں بے شمار جلوؤں سے شہودی رنگ نمایاں ہے۔

اس تسلسل میں آگے لکھتے ہیں۔

ے "انسان ہے اسی خاک کے نقطوں کا جال
جس خاک سے بنتے ہیں زبرجد و لعل
ذرات کی مالا کے یہ سب دانے ہیں
مہتاب ہو اختر ہو کہ مٹی کا سفال" (۵۸)

یہاں مختلف اشیاء مہتاب، اختر، ذرات، خاک، لعل وزبرجد وغیرہ کا ذکر کرتے ہوئے ان اشیاء کے پس منظر میں وحدانیت کے عمل کو ایک مستقل اکائی کی حیثیت سے رکھا گیا ہے۔ اور یہ بتانے کی کوشش کی گئی ہے کہ کائنات کا ذرہ ذرہ اپنی انفرادی حیثیت ضرور رکھتا ہے لیکن جب اُسے ایک تسلسل یا وحدت کے عمل میں دیکھا جائے تو سب کچھ ایک نظر آتا ہے۔ ایک حقیقت دوسری سے مربوط اور استوار ہے۔

ے "مٹی کی لکیروں میں ہزاروں در ہیں
گر جھانکیے کتنے مے کدے اندر ہیں
مینا ہے شرابِ ناب ہے ساقی ہے
ذروں پہ جو غور کیجئے ساغر ہیں" (۵۹)

ارشادِ ربانی ہے۔

"بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور رات اور دن کے بدل بدل کر

آنے جانے میں عقل والوں کے لیے نشانیاں ہیں "۔ (۶۰)

صوفیاء کی شہود کی نگاہ جب اشیاء کو دیکھتی ہے تو اُسے ایک ایک ذرے میں زندگی کی چھل پہل اور رونق نظر آتی ہے۔قلندر بابا کو مٹی کی بنی ہوئی لکیروں میں بھی ہزاروں دروازے اور ان کے اندر کئی مے کدے دکھائی دیتے ہیں۔ایک عام آدمی کی نظر کبھی ان چیزوں کی حقیقت تک نہیں پہنچ پاتی۔لفظ مٹی کے اندر بلاغت کی ایک دنیا آباد ہے یہ انسان اور کائنات کی معنویت اور انسان اور خالق کے مابین رابطوں کو نمایاں کرتی ہے قلندر بابا نے بھی اس سے یہی کام لیا ہے اس کیفیت کو اُجاگر کرنے کے سلسلے میں ذیل کا اقتباس ضروری ہے۔

" روحانیت کی زبان میں مٹی کا مطلب صرف مٹی نہیں بلکہ یہ ایک ایسا مظہر ہے
جس میں پسِ پردہ روشنیاں اور تخلیقی فارمولے برسرِ عمل ہیں اور ردوبدل ہو کر
مختلف تخلیقات کا روپ اختیار کرتے ہیں"۔ (۶۱)

کثرت میں وحدت کی تصویر اُبھارتے ہوئے قلندر بابا مزید کہتے ہیں۔

ے " کچھ گھاس کے پتوں میں اُگی ہے مٹی
کچھ باغ کے پتوں میں ڈھلی ہے مٹی
کچھ رنگ برنگ پھول ہوئی ہے مٹی
کچھ تتلیاں بن بن کے اُڑی ہے مٹی " (۶۲)

ے " یہ سرو ہیں سب سروقدوں کی مٹی
یہ لالے ہیں سب لالہ رُخوں کی مٹی
یہ سبزہ ہے سب زہرہ وشوں کی مٹی
جگنو ہیں تمام سیم بروں کی مٹی " (۶۳)

صوفیانہ مشاہدات کی بدولت قلندر بابا کو کائنات کے ذرے ذرے میں حُسنِ ازل کی جھلک دکھائی دیتی ہے ۔گھاس کے پتوں میں اُگی مٹی، باغ کے پودوں میں ڈھلی مٹی، پھولوں میں رنگ برنگ الوان کی کثرت میں اُلجھی ہوئی مٹی، تتلیاں بن بن کر اُڑتی مٹی، سروقدوں، لالہ رُخوں اور زہرہ وشوں کا مٹی میں ڈھلنا اور جگنو کی چمک، یہ

اہتمام وحدت الوجود کے موضوع کو عملی طور پر اُبھارنے کی تخلیقی مساعی ہے۔ جہاں ہر عکس میں ایک ہی نقشہ موجود رہتا ہے۔ اور وہ نقشہ ہمارے ذہنوں کو قائل کرتا رہتا ہے کہ ان رنگوں کو ،ان تنوعات کو وحدت فراہم کرنے والی خالقِ حقیقی کی ہستی ہے۔ جس سے ناطہ توڑ کر انسان دانہ دانہ بکھر جاتا ہے۔ فکری دُنیا بانجھ ہو کر رہ جاتی ہے اور انسان کا عرفان و آگہی کے ساتھ اتصال، ٹوٹے ہوئے شیشے کی طرح کرچی کرچی اور ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے۔

ے کثرت میں ہو گیا ہے وحدت کا راز مخفی

جگنو میں جو چمک ہے، وہ پھول میں مہک ہے (علامہ اقبال)

ے "جلوہ نہ سہی وادی ایمن ہی سہی

ساقی نہ سہی ساقی کا نشیمن ہی سہی

مقصود ہمارا تو پرستش ہے عظیم

خرقہ نہ سہی زنّارِ برہمن ہی سہی " (۶۴)

اس رباعی میں وحدت الوجود کا فلسفہ عجمی فلسفے کے زیرِ اثر پروان چڑھتا دکھائی دے رہا ہے۔ کیونکہ زنّار، خرقہ، وادیٔ ایمن اور برہمن سے بے نیاز ہو کر پرستشِ خُداوندی کا یقین اُبھارا گیا ہے۔ اور غالبؔ کے اس شعر کو عملی طور پر مشق میں لانے کی کوشش کی گئی ہے۔ کہ

ے ہم موٴحد ہیں ہمارا کیش ہے ترکِ رسوم

ملتیں جب مٹ گئیں اجزائے ایماں ہو گئیں (غالبؔ)

یہاں بھی معرفتِ ربانی کے لیے ملتوں کے مٹنے اور مٹانے کا تصور عام ہے۔ نتیجہ وہی ہے کہ ایمان کے حصول کے لیے بلا امتیازِ کیش و مذہب مصروفِ عمل رہنا وقت کی ضرورت ہے۔

(ب) معرفتِ باری تعالیٰ

لفظ معرفت "عَرَفَ" سے مشتق ہے اور لُغت میں اس کا مطلب شناخت، پہچان یا خُدا شناسی ہے۔ جبکہ اصطلاح میں اللہ تعالیٰ کی ایسی پہچان کہ کوئی راز راز نہ رہے۔

صوفیاء کے نزدیک معرفت اس علم کا نام ہے جو حقِ تعالیٰ کی ذات وصفات سے متعلق ہو اور اس میں کوئی شک وشبہ نہ ہو کیونکہ جس طرح دُنیاوی علوم کا حصول دُنیا میں ترقی کرنے کے لیے ضروری ہے۔ اسی طرح ذاتِ باری تعالیٰ کا علم دین اور قربِ الٰہی میں ترقی کرنے کے لیے لازم ہے۔

فرمانِ الٰہی ہے۔

ترجمہ "میں نے جنوں اور انسانوں کو اپنی عبادت (معرفت) کے لیے پیدا کیا ہے"۔ (۶۵)

اس حوالے سے صوفیاء میں معروف ایک موضوعی حدیث ہے کہ

ترجمہ "میں ایک مخفی خزانہ تھا میں نے چاہا کہ مجھے پہچانا جائے اس لیے میں نے خلقت پیدا کی"۔ (۶۶)

حضرت علیؓ کا قول ہے۔

ترجمہ "جس نے اللہ تعالیٰ کو پہچانا اُس کی معرفت کامل ہوئی"۔ (۶۷)

ایک عربی مقولہ ہے۔

ترجمہ "جس نے اپنے نفس کو پہچانا اُس نے رب کو پہچانا"۔ (۶۸)

معرفتِ ربانی میں پہلا مرحلہ اطاعتِ الٰہی کا ہے اور یہ مقصد اُسی صورت میں حاصل کر سکتا ہے جب بندے کو اللہ تعالیٰ کی ذات کا ادراک ہو انسانی ذہن میں اگر کسی معبود کا تصور ہی نہ ہو تو اُس کی اطاعت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ نہ ہی کسی قاعدے قانون کی پابندی کی جائے گی۔ دین کی اصل خالق کی معرفت ہے۔

ارشادِ نبوی ہے۔

ترجمہ "اگر تم اللہ تعالیٰ کو اس طرح پہچان لیتے جس طرح اُس کی معرفت کا حق ہے تو تم سمندروں کی سطح پر پیدل چلتے اور تمہارے بلانے پر پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ جاتے"۔ (۶۹)

ارشادِ ربانی ہے۔

ترجمہ "اُنہوں نے حقِ تعالیٰ کی قدر نہیں پہچانی جیسا کہ اُس کا حق تھا"۔ (القرآن) (۷۰)

مخلوق کی اکثریت غافل ہے سوائے اُن چند منتخب لوگوں کے جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی معرفت کے لیے چُن لیا۔

"ہر شخص کی قدر و قیمت معرفتِ حق کے باعث ہی ہے کیونکہ جس کو یہ معرفت
حاصل نہیں اس کی کوئی قیمت نہیں۔ پس علماء، فقہاء اور دوسرے بزرگ
حضرات خُداوند تعالیٰ کے متعلق صحیح علم کو معرفت کہتے ہیں"۔ (۷۱)

ایک عام مسلمان اور صوفی میں فرق ایمان اور معرفت کا ہے۔ ایمان فقط مان لینے کا نام ہے۔ جبکہ معرفت اللہ تعالیٰ کو جان لینے کا نام ہے۔ جس طرح معرفتِ رب کے لیے معرفتِ نفس پہلی سیڑھی ہے۔ اسی طرح معرفتِ نفس کے لیے تزکیۂ نفس اور صفائیٔ قلب اولین شرط ہے۔ اور یہ جبھی ممکن ہے جب دل میں عشقِ الٰہی موجود ہو۔

شوق تیرا اگر نہ ہو میری نماز کا امام
میرا قیام بھی حجاب، میرا سجود بھی حجاب (علامہ اقبالؔ)

"مستحقِ محبت صرف خدائے پاک کی ذات ہے اہلِ بصیرت کے نزدیک
سوائے خُدا کے اور کوئی محبوب نہیں اور نہ کوئی مستحقِ محبت ہے۔ لیکن یہ محبت
بغیر معرفت و ادراک کے حاصل نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ انسان اُس ذات سے
محبت کرتا ہے جس کو پہچانتا ہے اس لیے محبت ثمرۂ معرفت ہے اگر
معرفت ضعیف ہو تو محبت بھی ضعیف ہوگی"۔ (۷۲)

قلندر بابا کے لیے تصوف برائے شعرِ گفتن نہیں ہے آپ ایک باعمل صوفی تھے۔ شرابِ معرفتِ الٰہی کے نشے اور مستی میں سرشار رہنے والے سلوک و معرفت کے مدارج و مسائل آپ کے ہاں واردات و کیفیات کے روپ میں ایک شاعرانہ تجربہ بن کر سامنے آتے ہیں۔ آپ نے معرفت کے راستے حقیقت کی تلاش کی۔ آپ کے مطابق مشاہدہ ایک صوفی کا وطیرہ ہوتا ہے۔ عرفانِ ذات میں ڈوبے ہوئے قلندر بابا جب باطنی آنکھ وا کرتے ہیں تو اُنہیں ہر منظر میں، ہر موڑ پر، ہر حوالے سے ذاتِ ربانی کی معرفت کے ٹھاٹھیں مارتے سمندر سے واسطہ پڑتا ہے۔ معرفت کے در

جگہ جگہ وا ہوتے نظر آتے ہیں۔ کہیں یہ عمل دوٹوک نظر آتا ہے اور کہیں یہ سلسلہ ابہامات کی دُھند میں لپٹا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ بہرحال جو کچھ بھی ہے معرفت کے گرد اُن کی رباعیات کا دائرہ تنگ ہوتا دکھائی دیتا ہے تو ذہن دنگ ہوتا چلا جاتا ہے۔

اس نسبت سے یہ نمونہ دیکھئے۔

" کیا لوح و قلم میں ہے تعلق باہم
کیا لوح پہ تحریر ہے واللہ اعلم
البتہ ہے جام سے قلم کا رشتہ
ہے جام ہی نقاشِ ازل کا محرم " (۷۳)

اس رباعی میں قلندر بابا نے اس یقین کو اُبھارا ہے کہ بعض حوالوں کا علم حاصل ہی نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ ہمارے اندر کا ایقان ہمیں آگاہی کی اُن منزلوں کی طرف رہنمائی کرتا ہے تاہم اتنا ضرور ہے کہ دل پہ ضرب پڑے۔ اور یہ ضرب معرفت کے جام کے بغیر ممکن نہیں۔ جس سے حجابات اُٹھنے شروع ہو جاتے ہیں۔ لوح و قلم، تحریر، ازل و ابد یہ تمام سلسلے اندر کے یقین پر ضرب لگاتے ہیں اور سالک کے باطن کو شرابِ معرفت کے حصول پر اُبھارتے ہیں۔

زیرِ تجزیہ رباعی کا حرف حرف روشنی کا مینار ہے ایسی روشنی جو صرف باہر کے مناظر کو نمایاں نہیں کرتی بلکہ اندر کی کہکشاؤں کو بھی بے حجاب کر دیا کرتی ہے۔

صوفیا کے ایک مخصوص طبقے نے شرابِ معرفت کی علامت کے لیے خمریاتی شاعری کو رواج دیا اس لحاظ سے قلندر بابا کے ہاں بھی رباعیات کا ایک بڑا حصہ خمریات پر مشتمل ملتا ہے اور ویسا ہی انداز ہے جیسا کہ کسی وقت عمر خیامؔ اور حافظؔ شیرازی نے اپنے عارفانہ اور صوفیانہ کلام کے وسیلہ سے دھوم مچا رکھی تھی۔

تصوف میں خُمر یا بادہ سے مراد عام شراب نہیں بلکہ شرابِ محبت یا عشق ہے۔ اور ساقی کوئی عام شراب پلانے والا نہیں۔ بلکہ شیخ، مرشد یا خود محبوبِ حقیقی (اللہ تعالیٰ) کی اصطلاح کا آئینہ دار ہے۔ ساقی عارفوں پر حقائق و معارف کے اسرار کھولنے والا ہوتا ہے جبکہ مے خانہ کا لفظ (خانقاہ) کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

قلندر بابا نے بھی بادہ و ساغر کے رمز و کنایہ کے ذریعے معرفت کی باتیں کی ہیں۔ ساقی سے شرابِ معرفت

کے حصول کے لیے وہ کبھی کوئی انداز اختیار کرتے ہیں تو کبھی کوئی۔

ے "ساقی تیرے قدموں میں گزرنی ہے عمر
پینے کے سوا کیا مجھے کرنی ہے عمر
پانی کی طرح آج پلا دے بادہ
پانی کی طرح کل تو بکھرنی ہے عمر" (۷۴)

ے " جتنی بھی پلا سکے پلا دے ساقی
اک آن کی عمر ہے ہماری باقی
اک آن گزرگئی تو گزرے ہم تم
اک آن کے بعد کیا رہے گا باقی " (۷۵)

ے " ہے وقتِ سحر شرابِ ناب اے ساقی
مہتاب کے بعد آفتاب اے ساقی
مے خوار تیرے منتظر ساغر ہیں
ہے تیری عطا ان کا ثواب اے ساقی " (۷۶)

عارفوں کے نزدیک زندگی کا مقصد صرف شرابِ معرفت کی لذتوں سے بہرہ یاب ہونا ہے۔ معرفت کے اعلیٰ درجات کی طلب میں وہ ساقی سے مسلسل اُن کے جود و کرم کا تقاضا کرتے رہتے ہیں۔

مذکورہ رباعیات میں قلندر بابا (ساقی) محبوبِ حقیقی سے مسلسل شرابِ معرفت کے حصول کے تمنائی ہیں تا کہ اس فانی دنیا میں اس فانی زندگی کا مقصد پورا ہو سکے۔ کیونکہ ایک دن جب سب کچھ ختم ہو جائے گا تو سوائے رب کی عطا کے کچھ بھی کسی کے کام نہیں آئے گا۔

قلندر بابا صوفیانہ خمریات کی علامتوں جیسے ساقی، بادہ، شرابِ ناب، مے خوار، ساغر یہاں تک کہ مہتاب

اورآفتاب کے بھی نئے مفاہیم سے معنی کاایک جہاں آباد کردیتے ہیں جوکلام کوکہیں سے کہیں پہنچادیتا ہے۔

ے " واللہ کہ یہ خود کونہیں پہچانے
افسانہ وافسوں میں رہے فرزانے
قدرت کاعطیّہ خودہی قدرت ہےعظیم
یہ بات سمجھتے ہیں فقط دیوانے " (۷۷)

جب صوفی کے مقامات بلند ہوتے ہیں تو وہ ساقی کے پردہ میں خالقِ کائنات کے مظاہر دیکھتا ہے اور مے خانہ میں کائنات کی وسعتیں۔

قلندر بابا اس حقیقت کوسمجھتے ہیں کہ اصل عبادت وریاضت وہ ہے جس کے صلہ میں محبوبِ حقیقی کی محبت اور توجہ حاصل ہو اُس کی معرفت ملے کائنات کی اس سب سے بڑی حقیقت کواہل ظاہر نہیں سمجھ سکتے ۔سحرانگیز افسانے بننے والے کبھی زندگی کی اصل کونہیں پاسکتے ۔ بظاہر دیوانے دکھائی دینے والے اصل ہشیار ہی اس راز کی کُن سے واقف ہوتے ہیں۔

ے "اک آتش سوزاں ہے جہاں دیکھو گے
جلتے ہوئے دن رات وہاں دیکھو گے
آتش نے جلے داغ، جوچھوڑے ہیں کہیں
اُن داغوں میں تم کون ومکاں دیکھو گے " (۷۸)

قلندر بابا کے نزدیک یہ عشق کی سرمستی ہے جوانسانی زندگی کا نصب العین متعین کرتا ہے۔صوفیاء کرام عشقِ الٰہی میں زندہ رہنا چاہتے ہیں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اگر محبوبِ حقیقی مہربان ہوگیا تو عاشقِ صادق کے دل میں عشقِ حقیقی کی اک ایسی آگ بھڑک اُٹھے گی جو انسان کوسعادتِ سرمدی سے ہمکنار کردے گا یہ عشق کی سرمستی ہی ہے جوسالک کوایک وجدانی کیفیت میں مبتلا کرکے اُسے ایک ایسی قوت وہمت عطا کرتی ہے کہ جس کی بدولت نہ صرف وہ کون ومکاں سے واقف ہوکر عظمت کی بلندیوں پر پہنچ جاتا ہے بلکہ محبوب کے قرب کے مدراج بھی کامیابی سے طے کرتا چلا جاتا ہے۔

قلندر بابا نے یہاں آتش سوزاں، جلتے ہوئے دن رات، کون ومکاں جیسے الفاظ وتراکیب کے ذریعے بہت خوبی سے اپنا مطمع نظر واضح کیا ہے۔

صوفیاء کا ماننا ہے کہ ادراکِ حقیقت کے لیے ہر انسان میں ایک فطری صلاحیت موجود ہوتی ہے جو عشقِ حقیقی سے جلا پاتی ہے اسی سے حیات وکائنات کی حقیقت اور مقصد سالک پہ کُھل جاتا ہے۔

"حقیقت کی تلاش صوفیاء کے ذوقِ عرفان کو اس ذات کی طرف مائل کر
دیتی ہے جو سارے اوصاف کا سرچشمہ اور منبع ہے"۔ (۷۹)

؎ تجھی کو جو یاں جلوہ فرما نہ دیکھا
برابر ہے دنیا کو دیکھا نہ دیکھا (میر دردؔ)

جب تک اللہ تعالیٰ ایک سالک کے دل کو تزکیۂ نفس کے بعد اپنے نور سے روشن نہ کردے اُسے معرفتِ حقیقی سے نواز نہ دے۔ تب تک نہ تو وہ حُبِ دُنیا اور شرورِ دُنیا سے آزاد ہوسکتا ہے نہ ہی صفاتِ باری تعالیٰ سے روشناس ہوسکتا ہے اور نہ ہی قربِ الٰہی ورضائے الٰہی سے وہ سرفراز ہوسکتا ہے۔

؎ کُھلا ہے بابِ عرفاں جس کے اوپر
اسے ہے ہر ورق گل کا گلستاں (میر دردؔ)

قلندر بابا راہِ سلوک کے مختلف مراحل سے گزرتے ہوئے بالآخر منزل کے قریب پہنچ گئے۔

؎ "اک عمر گزر گئی فراقِ دل میں
تنہائی کی دیوار تھی ہر منزل میں
ساقی نے کرم کیا جگہ دی مجھ کو
جام وقدح وصراحی کی محفل میں" (۸۰)

؎ "ساقی کا کرم ہے میں کہاں کا مے نوش
مجھ ایسے ہزار ہا کھڑے ہیں خاموش
مے خوار عظیمؔ برخیاؔ حاضر ہے
افلاک سے آرہی ہے آوازِ سروش" (۸۱)

ان رباعیات میں قلندر بابا ممنونِ باری تعالیٰ ہیں کہ اُس نے معرفت کا خاص علم عطا کر کے اُنہیں ہزاروں لاکھوں لوگوں میں ممتاز کر دیا۔ صوتِ سرمدی نے اُنہیں اس پابند اور ظاہری زندگی کی مجبوریوں سے آزاد کر دیا اور ساقی کے خاص کرم سے وہ ماورائی دنیا سے آشنا ہوئے ورنہ تو اُس سے پہلے قلبی تنہائی کا ایک جان لیوا احساس تھا جسے اُنہوں نے عمر کی ہر منزل میں محسوس کیا۔ اگر ایسے میں ساقی اُنہیں مے خانۂ معرفت میں عارفینِ حق کی ہم نشینی مہیا نہ کرتے تو وہ یوں ہی بھٹکتے رہتے۔ بلا شبہ

"یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے"۔ (۸۲)

"حسی حجابات اُٹھ جانے کے بعد دل میں ایک نور پیدا ہوتا ہے جس سے بصیرت
حاصل ہوتی ہے اسی کا نام یقین ہے اور یہ وہ یقین نہیں جو دلائل سے حاصل ہوتا
ہے یہ حق الیقین ہے اس کے بعد صاحبِ معرفت رضائے الٰہی میں فنا ہو جاتا
ہے یہی فنا تقاضائے عشق ہے"۔ (۸۳)

عشق کی گہرائیوں میں اُترنے والوں کی نگاہوں پر سے پردے اُٹھتے چلے جاتے ہیں۔

؎ جب عشق سکھاتا ہے آداب خود آگاہی
کھلتے ہیں غلاموں پر اَسرارِ شہنشاہی (علامہ اقبالؔ)

قلندر بابا فرماتے ہیں۔

؎ "ساقی نے پلایا ہے مجھے وہ بادہ
ہر بھید نظر آتا ہے بالکل سادہ
ہر چیز ہے چند مرحلے مٹی کے
یہ خشت سرِ خُم ہے سرِ شہزادہ" (۸۴)

؎ "جس پردے میں دیکھتا ہوں پردہ ہے الگ
جس نقشے میں دیکھتا ہوں نقشہ ہے الگ
ہر ذرہ میں جمشید و فریدوں ہیں ہزار
سبحان اللہ کہ مری دُنیا ہے الگ" (۸۵)

ے "مجھ پر عجب احسان کیا ساقی نے
دی میری بصارت کو جلا ساقی نے
جس جُرعہ میں تا عرش نظر آتا ہے
وہ جُرعہ شراب کا دیا ساقی نے " (۸۶)

ارشاد ربانی ہے۔

ترجمہ "وہ جسے چاہتا ہے حکمت دیتا ہے اور جسے حکمت دی گئی اسے بڑی
خیر دی گئی اور نصیحت تو عقل مند ہی پکڑتے ہیں"۔ القرآن (۸۷)

ان رباعیات میں قلندر بابا اللہ تعالیٰ کی اپنے اُوپر خاص نوازشات کا بہت شکر گزاری سے ذکر کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے اندر شرابِ معرفت کے خُم کے خُم انڈیل دیے۔ اور اپنی ذات کی معرفت اس طرح عطا کی کہ کائنات کے بہت سے اسرار اور پوشیدہ نکتے اُن پر عیاں ہو گئے ہیں۔ فرش سے عرش تک اُن کی باطنی نظر نے روحانی مشاہدات کے ذریعے چیزوں کی حقیقتیں اُن پر منکشف کر دی ہیں۔

ے بے حجابی سے تیری ٹوٹا نگاہوں کو طلسم
اِک ردائے نیلگوں کو آسماں سمجھا تھا میں (علامہ اقبال)

قلندر بابا اس حقیقت کو بھی اچھی طرح سمجھتے تھے کہ ہر دینی و دینوی کامیابی صرف اور صرف فیض الٰہی یا توفیقِ الٰہی سے ہی حاصل ہو سکتی ہے۔ کیونکہ راہِ معرفت میں سُرخرو ہونے کے لیے ایک سالک کے اندر یہ یقین پختہ ہونا چاہیے کہ سب کچھ من جانب اللہ ہے۔ اپنی کامیابیوں میں اُس کا کوئی کمال نہیں البتہ اخلاص اور ثابت قدمی کام کو آسان کر دیتی ہے۔ جیسا کہ قلندر بابا ایک جگہ کہتے ہیں۔

ے "ایک جُرعۂ مے ناب ہے ہر دم میرا
ایک جُرعۂ مے ناب ہے عالم میرا
مستی و قلندری و گمراہی کیا
اک جُرعۂ مے ناب ہے محرم میرا" (۸۸)

اس رباعی میں قلندر بابا نے راہِ معرفت میں کامیابی کے حصول کے لیے ایک اہم بات بتائی ہے کہ جس طرح خالص

شرابِ سُرخ کا ایک گھونٹ مے کش کو دنیا و مافیہا سے بے نیاز کر دیتا ہے اسی طرح اگر طلب سچی اور عبادت میں خلوص ہو تو معبودِ برحق کے متوجہ اور مہربان ہونے میں کوئی وقت نہیں لگتا۔ شرابِ معرفت کا ایک گھونٹ ہی سارے پردے فاش کر دیتا ہے۔

ترجمہ "وہ ایک چشمہ ہے جس سے خُدا کے مقرب بندے پییں گے"۔ (۸۹)

قلندر بابا یہاں یہ خاص نکتہ بھی بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جب بندے کو شرابِ معرفت کا خالص گھونٹ پلا دیتا ہے تو پھر یہ اُس پر منحصر ہے کہ وہ اسے مستی و قلندری سے حرزِ جاں بنالے یا گمراہی سے ضائع کر دے۔

سورۃ الدھر میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

ترجمہ "بے شک ہم نے اسے نیکی و بدی کا رستہ دکھلا دیا اب وہ یا تو شکرگزار ہے اور یا ناشکرا"۔ القرآن (۹۰)

(ج) جبر و اختیار

انسان کا ارادہ اس کا اپنا ہے یا اس پر مسلط کیا گیا ہے۔ وہ اپنے اعمال میں خود مختار ہے یا مجبورِ محض ہے۔ یہ بحث علمی طبقے میں بڑی فعال رہی ہے۔ اس حوالے سے تقدیر کی دو بڑی اقسام بیان کی جاتی ہیں۔

تقدیرِ مبرم اور تقدیرِ معلق

تقدیر مبرم آخری فیصلہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے لوحِ محفوظ پر لکھ دیا گیا ہے۔ اس میں تبدیلی ممکن نہیں۔

تقدیرِ معلق وہ ہے جو عام حالات میں تو طے شدہ ہوتی ہے مگر خاص حالات میں اکابر اولیاء اللہ و صالحین کی دُعا سے، بندے کے نیک اعمال سے تبدیل ہوسکتی ہے۔ اس بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

"اللہ تعالیٰ جس (لکھے کو) چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جسے چاہے ثبت فرما دیتا ہے اور اسی کے پاس اصل کتاب (لوحِ محفوظ) ہے"۔ (۹۱)

اس حوالے سے حدیث ہے کہ

"صرف دُعا ہی قضا کو ٹالتی ہے"۔ (۹۲)

تقدیر کے حوالے سے دو بڑے مسالک ہیں جبریہ اور قدریہ۔ یہ دونوں اپنے مؤقف کی صداقت کے لیے قرآن کریم سے دلائل دیتے ہیں۔ جن کا اجمالی تذکرہ ذیل میں کیا جا رہا ہے۔

تقدیر کے روایتی تصور کے مطابق اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق ہے اُس کی مرضی کے بغیر ایک پتہ بھی حرکت نہیں کر سکتا۔ اور انسان مجبورِ محض ہے۔ ایسے میں اپنے اچھے بُرے اعمال کے لیے اُس سے حساب کتاب نہیں ہونا چاہیے۔ اصطلاح میں اسے تصورِ جبریہ کہا جاتا ہے اور اس تصور کے ماننے والے قرآن کریم کی حسب ذیل آیات سے استدلال کرتے ہیں۔

۱) "بے شک اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز پر قادر ہے"۔ (۹۳)

۲) "اللہ تعالیٰ جیسے چاہے ہدایت عطا فرمادے اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں اور جسے وہ گمراہی کے اندھیروں میں دھکیل دے اُسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں"۔ (۹۴)

۳) "اور تم کچھ بھی نہیں چاہ سکتے جب تک خدائے رب العالمین نہ چاہے"۔ (۹۵)

اس حوالے سے امام غزالیؒ کہتے ہیں۔

" کوئی شخص کوئی فعل ایسا نہیں دیکھتا جس میں نظر فاعلِ حقیقی کی طرف نہ ہو فاعل سوائے خدا تعالیٰ کے اور کوئی نہیں۔ بندے کو یہ اختیار نہیں کہ مشیّت کو روک سکے "۔ (۹۶)

ایسا ہی خیال ابنِ قیم الجوزی نے بھی ظاہر کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ

" خلق اور امر کا وہی مالک ہے اور حکم اُس کے ہاتھ میں ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے اور اس کے چاہنے کے بغیر کسی بات کا ہونا ممکن نہیں "۔ (۹۷)

جبریہ عقیدے کے مطابق انسان اپنے ارادے اور عمل میں آزاد نہیں اُس کا ہر عمل مشیت ایزدی اور حکم الٰہی کے تابع ہے۔اس کے برعکس ایک گروہ کے مطابق انسان اپنے ارادوں اور اعمال میں آزاد ہے۔اچھے بُرے راستوں کی پہچان دے کر اُسے مکمل آزادی دی گئی ہے تاکہ وہ سوچ سمجھ کر کوئی راستہ اختیار کرے اگر ایسا نہ ہوتا تو انسان اپنے اعمال کے لیے جواب دہ نہ ہوتا اس عقیدے کو اصطلاح میں قدریہ کہتے ہیں اس مسلک سے وابستہ افراد قرآن کریم کی ان آیات سے استدلال کرتے ہیں۔

۱) " کہہ دو کہ خُدا ہرگز بُرے کام کا حکم نہیں دیتا"۔ (۹۸)

۲) "اے رسول! تم کہہ دو کہ اے لوگو! تمہارے پرودگار کی طرف سے تمہارے پاس حق (قرآن) آچکا ہے پھر جو شخص سیدھی راہ پر چلے گا۔تو وہ صرف اپنے ہی دَم (نفس) کے لیے ہدایت اختیار کرے گا اور جو گمراہی اختیار کرے گا وہ بھٹک کر کچھ اپنا ہی کھوئے گا اور میں تمہارا ذمہ دار تو ہوں نہیں"۔ (۹۹)

قدریہ عقیدے کے مطابق اگر اختیار کو تسلیم نہ کیا جائے تو دین کی عمارت کا قائم رہنا ممکن نہیں۔

جیسا کہ ارشادِ خُداوندی ہے کہ

"اور جس نے اُس کی طرف رجوع کیا اسے اپنی راہ دکھاتا ہے"۔ (۱۰۰)

اسلامی تعلیمات کے مطالعے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ تقدیر مشیتِ الٰہی ہے البتہ " حقیقت درمیان جبر وقدر است " عقیدہ جبر کو اپنی بداعمالیوں کے جواز کے لیے اختیار کرنا ہرگز مناسب نہیں کیونکہ اپنے بُرے ارادوں کے لیے اللہ تعالیٰ کو موردِ الزام ٹھہرانا اللہ تعالیٰ کے عدل وانصاف کے منافی ہے جبکہ اللہ تعالیٰ غفور الرحیم بھی ہے اور

انہی کی مدد کرتا ہے جو اپنی مدد آپ کرتے ہیں۔

رسول اللہؐ نے تقدیر کے حوالے سے فرمایا کہ "جب تقدیر کا ذکر کیا جائے
تو خاموشی اختیار کرو کیونکہ یہ خُدا کا راز ہے اور اللہ تعالٰی کے راز کا افشا نہ کرو"۔ (۱۰۱)

اسلام ہر معاملے میں میانہ روی کی تلقین کرتا ہے انسان بعض باتوں میں مجبورِ محض ہے اور بعض میں خود مختار۔

"خُدا کا اختیار، اختیار بالذات و حقیقی ہے اور انسانوں کا اختیار بالذات نہیں
بلکہ اختیارِ اضافی ہے اور اختیار و ایجاب حقیقی کے تحت ہے"۔ (۱۰۲)

فارسی شاعری ہو یا اُردو، دونوں میں ہمیں جبریہ نظریئے کا عمل دخل زیادہ ملتا ہے۔ البتہ صوفی شعراء کے ہاں یہ اعتدال کے ساتھ ہے۔

اُردو شاعری میں جبر اور قدر کے حامل چند اشعار نقل کیے جا رہے ہیں۔

جبریہ مسلک سے متعلق چند اشعار

؎ اس امر میں بھی تو بے اختیار ہے بندہ
ملا ہے دردؔ اگر یاں کچھ اختیار مجھے (میر دردؔ)

؎ ناحق ہم مجبوروں پہ یہ تہمت ہے مختاری کی
چاہتے ہیں سو آپ کریں ہم کو عبث بدنام کیا (میر تقی میرؔ)

؎ ہوں منحرف نہ کیوں رہِ رسم ثواب سے
ٹیڑھا لگا ہے خط قلمِ سرنوشت کو (مرزا غالبؔ)

؎ تقدیر کے دائرے میں آنا ہی پڑا
سر پائے مشیّت پر جھکانا ہی پڑا (جوشؔ)

ؔ تقدیر سے کیا گلہ خُدا کی مرضی
جو کچھ بھی ہوا، ہوا، خُدا کی مرضی (امجدؔ)

ؔ زندگی جبر ہے اور جبر کے آثار نہیں
ہائے اس قید کو زنجیر بھی درکار نہیں (فانیؔ)

قدریہ مسلک سے متعلق چند اشعار

ؔ تقدیر کے پابند ہیں نباتات و جمادات
مومن فقط احکامِ الٰہی کا ہے پابند (علامہ اقبالؔ)

ؔ عبث ہے شکوۂ تقدیرِ یزداں
تو خود تقدیرِ یزداں کیوں نہیں ہے (")

ؔ تقدیر کے قاضی کا یہ فتویٰ ہے ازل سے
ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات (")

ؔ جو ہم نہ ہوں تو زمانے کی سانس رُک جائے
قتیلؔ وقت کے سینے میں ہم دھڑکتے ہیں (قتیلؔ شفائی)

قلندر بابا اولیاء تعلیماتِ اسلامی سے آگاہ تھے اُنہیں بلا شبہ عالمِ دین کہا جا سکتا ہے اس بات پر اُن کی تحریر کردہ کتابیں بھی شہادت کرتی ہیں۔ اُنہوں نے تعلیماتِ قرآنی کی روح کو سمجھا اور پوری سچائی کے ساتھ اُسے اپنی زندگی میں برتنے کی نہ صرف کوشش کی بلکہ اس مشق و ریاضت میں اُن کی حیات کے ماہ و سال صرف ہوئے لیکن تعجب

کی بات ہے کہ اُنہوں نے اپنی رباعیات میں کہیں بھی انسان کے خودمختار ہونے کی بات نہیں کی۔ مختلف پیرائیوں میں وہ اس حقیقت کو سمجھانے کی کوشش کرتے رہے کہ انسان کے عمل کی ڈوری خالقِ کائنات کے ہاتھ میں ہے۔ اُس کا ارادہ خوداختیاری کا نتیجہ ہے۔ اگرچہ اُنہیں اس حقیقت سے بھی آگاہی حاصل تھی۔ کہ انسان اپنے اعمال ہی کی وجہ سے ماخوذ ہے اور اُس کا مواخذہ اُس کے ارادے اور اختیار کے تناظر میں کیا جائے گا۔ تاہم اگر اُنہوں نے اس پہلو سے انحراف اختیار کیا ہے۔ تو اس کی وجہ بھی سمجھ میں آتی ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ جس مسلک سے وابستہ اور منسلک رہے ہیں اُس مسلک میں اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مقابلے میں اپنی مرضی کو مٹانا ضروری ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے اختیار کے سامنے اپنے اختیار کو ظاہر کرنا بے ادبی کی ایک صورت ہے۔ تاہم اُن کی رباعیات کے پیچھے ایک بازگشت ضرور ایسی محسوس ہوتی ہے جو یہ باور کراتی ہے کہ انسان صرف مٹی کا ڈھیر نہیں ہے۔ ارادے سے متصف ایسی مخلوق ہے جو فرش سے لے کر عرش تک کے فاصلوں کو خُدا کے فضل سے عبور کرسکتی ہے۔

فرماتے ہیں

ے " مجھ پر عجب احسان کیا ساقی نے
دی میری بصارت کو جِلا ساقی نے
جس جُرعہ میں تا عرش نظر آتا ہے
وہ جُرعہ شراب کا دیا ساقی نے " (۱۰۳)

ظاہر ہے بصارت کو جِلا دینا کائنات کی وسعتوں کو زیرنگین لانے اور اپنے تصرف میں لینے کا حوالہ ہے جو ایک بے ارادہ یا ارادے سے عاری انسان کا کام ہی نہیں۔ لیکن چونکہ قلندر بابا کی زندگی کی مشق اور تعلیمات کا خلاصہ یہی تھا کہ انسان اپنی انا اور پندار کو اللہ تعالیٰ کی بندگی میں مٹا ڈالے یا میں ہُوں کے خوابوں کو پاؤں تلے کُچلے تو معرفتِ ربانی کا آغاز ہوتا ہے اسی سبب سے اُنہوں نے عملاً انسان کو بے اختیار اور لاچار گردانا ہے کیوں کہ نہ تو وہ آسمان کی سرحدوں کو عبور کرسکتا ہے اور نہ وہ مقدرات کو ٹال سکتا ہے اور جب حقیقت یہ ہو تو پھر جزوی ارادہ کا ذکر کرنا اور عارضی اختیار پر اترانا زیادہ معقول بات نہیں۔ لہٰذا اُن کی رباعیات میں انسان ایک بے اختیار مخلوق کی شکل میں سامنے آتا ہے۔ لیکن یہ بے اختیاری بصیرت سے عاری ہونے کی بے اختیاری نہیں ہے۔ یہ ناتوانی

معرفت سے دوری نہیں بلکہ معرفت کو حاصل کرنے کا وسیلہ ہے۔

بقول اقبالؔ

ے مٹا دو اپنی ہستی کو اگر کچھ مرتبہ چاہو
کہ دانہ خاک میں مل کر گل وگلزار ہوتا ہے

تو قلندر بابا کا بھی یہی فلسفہ ہے کہ انسان اپنی مرضی سے اپنی مرضی ربِ باری تعالیٰ کی مشیّت میں ضم کردے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی مرضی ومشیّت کو اپنانا ہی اصل کامیابی ہے اور یہ اس جزوی اختیار سے زیادہ توانا سلسلہ ہے۔ جو انسان کو جبلّی طور پر ودیعت کیا گیا ہے بہرتقدیر انہوں نے جبریہ مسلک سے وابستہ رہ کر بھی اس کے مختلف زاویے ابھارے ہیں جو حسب ذیل رباعیات کی مدد سے سمجھے جاسکتے ہیں۔

ے "عنوانِ مشیّت کہیں ٹل سکتا ہے ؟
تو لوح کی تحریر بدل سکتا ہے ؟
اُستادِ قلم نے لکھ دیا ہے جو لکھا
کیا اُس کے خلاف بھی کوئی چل سکتا ہے؟ " (۱۰۴)

ے "جو ہونا ہے بے جا کہ بجا ہونا ہے
اس غم میں فضول مبتلا ہونا ہے
اندھیر ہے دن کی روشنی میں اتنا
معلوم نہیں ہے کہ دَم میں کیا ہونا ہے " (۱۰۵)

ے "آنا میرے اختیار میں نہ جانا غافل
کھونا میرے اختیار میں نہ پانا غافل
کُل عمر میں اک سانس نہیں ہے میرا
البتہ ہے اختیار کا بہانہ غافل " (۱۰۶)

فرمانِ الٰہی باری تعالیٰ ہے

" تمام کام اللہ تعالیٰ ہی کے قبضے میں ہیں"۔ (۱۰۷)

ارشادِ نبویؐ ہے

" قلم لکھ کر خشک ہو گیا"۔ (۱۰۸)

اِسی تناظر میں قلندر بابا کا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق ہے اُس کی مرضی کے بغیر کچھ بھی ممکن نہیں وہ جسے چاہے عزت دے جسے چاہے ذلّت۔ اُس نے لوحِ محفوظ پر جو لکھ دیا اُسے کوئی تبدیل نہیں کر سکتا جب تک کہ وہ خود نہ چاہے تو آنے والے وقت کے متعلق سوچ کر خود کو پریشان کرنا عبث ہے۔ جب آنے والے ایک لمحے کی کسی کو خبر نہیں ایک سانس ہم اپنی مرضی کا نہیں لے سکتے تو اللہ تعالیٰ کی مشیّت کے سامنے سر جھکانے ہی میں بھلائی ہے۔

ے " برلوح نشاں بود پنہاں بوداست

پیوستہ قلم زنیک بدآسوداست " (عمر خیّام) (۱۰۹)

قلندر بابا اس حوالے سے مزید کہتے ہیں کہ

ے " کل روزِ ازل یہی تھی میری تقدیر

ممکن ہو تو پڑھ آج جبیں کی تحریر

معذور سمجھ واعظِ ناداں مجھ کو

ہیں بادہ و جام سب مشیت کی لکیر " (۱۱۰)

ے " کٹھ پتلی ہے یہ نوع ہماری ساقی

حرکت ہے اشارات پہ ساری ساقی

ہوئی ہے جو تحریک تو پیتے ہیں ہم

ورنہ ہے بساط کیا ہماری ساقی " (۱۱۱)

ارشادِ ربانی ہے۔

"اور یہ لوگ جو کچھ کر چکے ہیں وہ کتابوں میں لکھا ہوا ہے اور ہر ایک چھوٹا اور

بڑا کام لکھا ہوا ہے"۔ (۱۱۲)

قلندر بابا کے نزدیک بادہ و جام کی باتیں ازل میں لکھی جا چکی ہیں واعظ کے وعظ و نصیحت کا اثر بھی اسی لیے نہیں ہوتا کہ تقدیر لکھی جا چکی ہے اور تقدیر کے سامنے سب بے بس ہیں۔ جس طرح کٹھ پتلیاں اپنی مرضی سے حرکت نہیں کر سکتیں ایسے ہی انسان بھی بہت سے معاملات میں بے بس ہیں۔

قلندر بابا نے ان رباعیات میں بہت گہرے روحانی قوانین بیان کیے ہیں۔ اس کے لیے اُنھوں نے تمثیلی زبان استعمال کی ہے ہر چیز اور ہر عمل کو من جانب اللہ تعالیٰ سمجھنا بھی روحانی لوگوں کے مشاہدات کی بدولت ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ اس سے حقیقت کو سمجھ لیتے ہیں اور جواباً اپنی مرضی کو پسِ پشت ڈال دیتے ہیں۔

چونکہ قلندر بابا آج بھی روزِ ازل والی مئے الست سے سرشار ہیں اسی کو وہ مظاہراتی دُنیا میں شغلِ بادہ و جام کہتے ہیں۔ یہی رِندِ خرابات کی تقدیر ہے اور اسی شرابِ معرفت کے نور سے شاعر کی جبینِ حیات روشن ہے اور یہ سب واعظ کی ظاہر بین نگاہوں سے پوشیدہ ہے۔

بقول حافظؔ شیرازی

ے "حافظ نخود بپوشید ایں خرقۂ مے آلود

اے شیخِ پاک دامنِ معذور دار مارا" (۱۱۳)

اگرچہ قلندر بابا اپنے عقیدے کے مطابق اللہ تعالیٰ کی رضا میں راضی ہیں مگر کبھی کبھی حرفِ شکایت اُن کے لبوں تک آ ہی جاتا ہے۔

ے "جب تیری مشیت ہے ستم سہنے دے

اِک حرف شکایت کا مگر کہنے دے

کُل عمر میں اک نفس نہیں ہے اپنا

دو چار نفس تو عاریت رہنے دے" (۱۱۴)

ے "جو تُو نے بنا دیا وہ بندہ ہوں میں

اِک بے بال و پر کا پرندہ ہوں میں

میرے تو نہیں لوح و قلم تیرے ہیں

کونین کا کیا آخر آفرینندہ ہوں میں " (۱۱۵)

فرمانِ باری تعالیٰ ہے۔

"اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب خدا ہی کا ہے"۔ (۱۱۶)

اس بڑی اور روشن حقیقت کو سمجھنے اور زمانے کے ستم کو مشیت الٰہی جاننے والے قلندر بابا جب دو چار نفس کی عاریت چاہتے ہوئے خود کو بے بال و پر کا پرندہ کہیں اور خود کو تقدیر کے تابع جانتے ہوئے ایک عاجز بندہ کہتے ہیں تو اس حوالے سے اُن کے نظریات کو جاننا اور سمجھنا کچھ ایسا مشکل نہیں۔

تقدیر، مقدرات، جبر، اختیار، ترک و اخذ یہ تمام موضوعات قلندر بابا کی رباعیات میں زیرِ بحث آتے ہیں یا تخلیق کا حصہ بنتے ہیں تو اپنے مسلک کے موافق قلندر بابا اُن میں وہی پہلو اُبھارتے ہیں جو انسان کے اختیار کو خواب و خیال ثابت کرتے ہیں یہ عمل یا تخلیقی آہنگ شعوری طور پر قلندر بابا کے یہاں اس لیے محسوس ہوتا ہے کہ وہ وسیع تناظر میں انسان کو زندگی کا وہ رُخ دکھاتے ہیں کہ جس کو اختیار کرنے کے بعد مادی کثافتیں پیچھے رہ جاتی ہیں اور روحانی سرشاری سالک کو کامرانیوں کی منزل کی طرف لے جاتی دکھائی دیتی ہے۔

(د) بے ثباتی دنیا

بے ثباتی و بے اعتباریٔ دنیا وما فیہا کے موضوع پر اکثر شعراء نے طبع آزمائی کی ہے لیکن اُردو و فارسی شاعری کے صوفی شعراء نے خاص طور پر اس موضوع کو اپنے کلام میں جگہ دی ہے۔ چونکہ صوفی لوگ راہِ سلوک کے مسافر ہوتے ہیں۔ اس لیے دُنیا اور دُنیا کی آسائشیں اُن کی نظر میں ہیچ ہوتی ہیں۔ وہ اِن چیزوں کو ناپائیدار سمجھتے ہوئے ان سے دل لگانے یا انہیں توجہ دینے کو غیر دانش مندانہ فعل تصور کرتے ہیں۔ عام لوگوں کے مقابلے میں وہ دُنیا اور زندگی کی حقیقت کو اچھی طرح جان چکے ہوتے ہیں۔ اس لیے دُنیا کی وقتی لذتوں اور رنگینیوں میں اُن کی دلچسپی نہیں رہتی۔ اس لیے وہ دُنیا کی بے ثباتی و ناپائیداری کا احساس اُجاگر کر کے اُنہیں ہیشگی کی زندگی کی طرف راغب کر کے توکل و استغنا کی تعلیم دیتے ہیں۔

قلندر بابا اولیاء کی رباعیات کے مطالعہ سے یہ تصور زیادہ کُھل کر سامنے آتا ہے کہ دُنیا کی بے ثباتی عام طور پر لوگوں پر دو طرح کے اثرات چھوڑتی ہے۔ سمجھدار لوگ فانی دنیا سے دُور اور اللہ تعالیٰ سے قریب ہو جاتے ہیں۔ عبادت و ریاضت اور صبر و قناعت کا راستہ اختیار کر کے بہت سی پریشانیوں سے بچ جاتے ہیں۔ جہانِ فانی کی عارضی رنگینیوں سے دامن بچا کر حیاتِ جاودانی کی فکر میں سرگرداں ہو جاتے ہیں جبکہ کچھ عاقبت نااندیش لوگوں پر دُنیا و زندگی کا اختصار منفی اثرات مرتب کرتا ہے۔ وہ مایوس، نااُمید اور بے عمل ہو جاتے ہیں اور بعض ایک تو "بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست" کے مصداق اِس دُنیائے دوں ہی کے ہو کے رہ جاتے ہیں۔ انسان جبلّی طور پر آرام پرست، کاہل، مشکلات سے جلد گھبرا جانے والا، اور عیش و عشرت کا دلدادہ ہے۔ اس لیے دُنیاوی مشکلات اور دُکھوں سے نجات کی خاطر موقع ملنے پر احساسِ مسرت اور حصولِ مسرت کو ہی زندگی کی اصل سمجھ بیٹھتا ہے حالانکہ اس سے زندگی کے حقائق نہیں بدلتے۔ نہ ہی یہ خود فریبی حیاتِ فانی کو لافانی بنا سکتی ہے۔

قرآنِ پاک میں کئی مقامات پر دُنیا کی ناپائیداری اور بے ثباتی کا تذکرہ کر کے انسان کو سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے۔

۱۔ "جو کچھ بھی زمین پر ہے سب فنا ہو جانے والا ہے"۔ (۱۱۷)

۲۔ "اور دنیا کی زندگی تو نری دھوکے کی پونجی ہے"۔ (۱۱۸)

۳۔ "اے بھائیو! یہ دُنیاوی زندگی تو محض چندروزہ ہے اور جو آخرت ہے وہی پائیدار گھر ہے"۔ (۱۱۹)

۴۔ "اور یہ دُنیا کی زندگی تو نرا کھیل اور تماشا ہے اور جو آخرت کا گھر ہے وہی اصلی زندگی ہے کاش وہ اس بات کو جانتے ہوتے"۔ (۱۲۰)

قلندر بابا اولیاء نے بڑے حکیمانہ اور فلسفیانہ انداز میں مختلف حوالوں سے انسانی زندگی کے اختصار، مادی حُسن کی کوتاہ عمری، مال ومتاع اور حکومت وسطوت کی بے ثباتی کے مضامین کو بکثرت اپنی رباعیات کا حصہ بنایا ہے اس حوالے سے درج ذیل رباعیات ملاحظہ ہو۔

ے "جس وقت کہ تن جاں سے جُدا ٹھہرے گا
دو گز ہی زمیں میں تو جا ٹھہرے گا
دو چار ہی روز میں تو ہوگا غائب
آ کر کوئی اور اُس جگہ ٹھہرے گا" (۱۲۱)

ے "ماتھے پہ عیاں تھی روشنی کی محراب
رخسار ولب جن کے تھے گوہر نایاب
مٹی نے انہیں بدل دیا مٹی میں
کتنے ہوئے دفن آفتاب و ماہتاب" (۱۲۲)

ے "دس لاکھ برس جو چل چکا ہے وہ بھی
کل جس نے کہ آغاز کیا ہے وہ بھی
یہ راہ فنا ہے سب ہیں اس میں ہمراہ
پہلے جو چلا ہے اب جو چلا ہے وہ بھی" (۱۲۳)

ے "انسان کا غرور اقتدار وزر ہے
گر یہ بھی نہیں تو مذہب و منبر ہے
دیکھ جو اُسے بعد فنا ہونے کے
معلوم ہوا یہ خاک مٹھی بھر ہے " (۱۲۴)

ے " جو شاہ کئی ملک سے لیتے تھے خراج
معلوم نہیں کہاں ہیں اُن کے سر و تاج
البتہ یہ افواہ ہے عالم میں عظیم
اب تک ہیں غبارِ زرد اُن کی افواج " (۱۲۵)

ے " اہرام، فراعین کا مدفن ہیں آج
سیاحوں سے تحسین کا لیتے ہیں خراج
رفتارِ زمیں کی ٹھوکریں کھا کھا کر
مل جائے گا کل تک اس کا مٹی میں مزاج " (۱۲۶)

قلندر بابا اولیاء نے مذکورہ بالا رباعیات کو درج ذیل قرآنی آیات کے تناظر میں اُجاگر کیا ہے۔
ارشادِ ربّانی ہے کہ:

۱۔ "ہر نفس نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے پھر تم ہماری ہی طرف لوٹ کر آؤ گے "۔ (۱۲۷)

۲۔ "اور ان سے پہلے ہم نے کتنی ہی اُمتوں کو ہلاک کر دیا (اے نبیؐ)! کیا تو ان میں سے کسی کو پاتا ہے یا ان کی بھنبھناہٹ سنتا ہے "۔(۱۲۸)

۳۔ " تم کہیں بھی رہو، موت تو تمہیں آ کر رہے گی خواہ بڑے بڑے محلوں میں رہو"۔ (۱۲۹)

؎ جاؤ گے جب جہاں سے کچھ بھی نہ ساتھ ہوگا
دو گز کفن کا ٹکڑا تیرا لباس ہوگا (اسدؔ بھوپالی)

قلندر بابا کے نزدیک زندگی کی سب سے بڑی حقیقت یہ ہے کہ اس عالم رنگ و بو نے بشمول اشرف المخلوقات انسان کے اپنے مقررہ وقت پر مِثلِ حباب کے فنا ہو جانا ہے ۔ لاکھوں سال سے دُنیا میں انسان کی آمد و رفت، چل چلاؤ اور ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ قائم ہے۔ روشن پیشانیوں اور چمکتے دمکتے چہروں والے حسین و جمیل لوگ مٹی میں مٹی ہو گئے ۔

؎ مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے لئیم
تو نے وہ گنج ہائے گراں مایہ کیا کیے (غالبؔ)

اسی طرح اپنے وقت کے بڑے بڑے صاحبِ جبروت شہنشاہ خدائی کے دعویدار فرعون ونمرود وشداد جن کی ہیبت و بربریت سے لوگ لرزہ براندام تھے ۔کل تک اپنی عوام سے خراج وصول کرتے تھے۔ آج مقامِ عبرت ہے کہ لوگ عجائب گھروں میں ان کے مردہ جسموں پر لگے ٹکٹ کے ذریعے ان کی بے بسی کا تماشا دیکھتے ہیں۔

"تو آج ہم تیرے بدن کو نکال لیں گے تا کہ تو بعد کے لوگوں کے لیے عبرت ہو"۔ (۱۳۰)

ان کے بڑے بڑے محلات یا تو کھنڈرات میں تبدیل ہو گئے یا صفحۂ ہستی سے مٹ گئے ۔

؎ نہ گورِ سکندر نہ ہے قبرِ دارا
مٹے نامیوں کے نشاں کیسے کیسے (آتشؔ)

جب سے یہ کائنات بنی بے شمار لوگ آئے اور چلے گئے زندگی ہر لحہ تغیر پذیر ہے۔ زندگی کی یہ تغیر پذیری صاحبِ شعور لوگوں کو بہت کچھ سوچنے پر مجبور کرتی ہے۔ خاص طور پر صوفیانِ حق جو اچھی طرح جانتے ہیں کہ دُنیا دارالعمل ہے اور دُنیا کی زندگی بے ثبات و ناقابلِ بھروسہ، چنانچہ جتنا ہو سکے اس مہلت سے فائدہ اُٹھا لیا جائے۔

جیسا کہ قلندر بابا اولیاء کہتے ہیں کہ:

؎ " آنا ہے میرا کہ جانا ، جلدی میں ہے
کھونا ہو مرا کہ پانا ، جلدی میں ہے

اِک دَم بھی جو مل جائے غنیمت ہے یہاں
ساقی مے ناب لا زمانہ جلدی میں ہے " (۱۳۱)

ے " دو چار نفس کا ہے زمانہ ساقی
پینا ہے بس اک میرا فسانہ ساقی
سو سال یہاں کے ہیں بہانہ ساقی
کُل عمر ہے اِک تازیانہ ساقی " (۱۳۲)

ے " معلوم ہے تجھ کو ماحصل اے ساقی
ہر دَم چلی آتی ہے اجل اے ساقی
ہر دَم ہے رواں دواں فنا کی دُنیا
آئے نہ پلانے میں خلل اے ساقی " (۱۳۳)

ان رباعیات میں مے خانہ کو دُنیا کے لیے بطورِ علامت استعمال کیا گیا ہے۔ مے نوشی اور ساغر کا گردش میں رہنا وظائف دُنیا ہیں۔قلندر بابا ساقی سے شرابِ معرفت کا بار بار تقاضا اسی لیے کر رہے ہیں کہ زندگی کا کچھ بھروسہ نہیں۔ جتنا ہو سکے توشۂ آخرت سمیٹ لیا جائے کیونکہ مرنے کے بعد یہاں کی کوئی چیز سوائے اعمال کے کام نہیں آنے والی۔سب کچھ یہیں رہ جائے گا۔

صوفیاء کے نزدیک:

"موت قربت کے لیے پیامِ محبوب ہے اس لیے صوفیانہ اصطلاح میں موت کو وصال سے تعبیر کرتے ہیں"۔ (۱۳۴)

اس حوالے سے قلندر بابا کی رباعیات کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ موت آزادی کی علامت بن کر آپ کے کلام میں جلوہ گر ہے۔آپ کے نزدیک انسان اور دُنیا کی بے ثباتی میں بھی بقاء کا پہلو ہے۔جیسا کہ آپ کی درج ذیل رباعیات سے واضح ہے۔

؎ " حق یہ ہے کہ بے خودی، خودی سے بہتر
حق یہ ہے کہ موت زندگی سے بہتر
البتہ عدم کے راز ہیں سربستہ
لیکن یہ کمی ہے ہر کمی سے بہتر " (۱۳۵)

؎ " کہتا ہے کوئی غمزدگی اچھی ہے
کہتا ہے کوئی کہ بے خودی اچھی ہے
اِک آن میں کر دیتی ہے کُل قصہ پاک
میں کہتا ہوں سب سے موت ہی اچھی ہے " (۱۳۶)

ان رباعیات میں آپ کا تخیل درج ذیل آیات کی عکاسی کرتا ہے۔

۱۔ "اور آخرت کے مقابلے میں دُنیا کی زندگی تو عارضی نفع ہے"۔ (۱۳۷)

۲۔ "اور بے شک آخرت بلحاظ درجوں کے بڑی ہے اور بلحاظ فضیلت بھی بڑی ہے"۔ (۱۳۸)

۳۔ " بلکہ تم دُنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو حالانکہ آخرت بہتر اور باقی رہنے والی ہے"۔ (۱۳۹)

بلاشبہ موت انسانی زندگی کی سب سے بڑی حقیقت ہے۔

قلندر بابا نے اپنی رباعیات کے ذریعے ہمیں یہی باور کروایا ہے کہ ہمیشہ کی زندگی مرنے کے بعد کی ہے۔ مرنے کے بعد کی زندگی سے ناواقفیت ہی کی وجہ سے انسان موت سے ڈرتا ہے۔ حالانکہ وہ زندگی اس زندگی سے لاکھ درجہ بہتر ہے کیونکہ عالمِ قید و بند کے مقابلے میں عدم میں انسان وسائل کا محتاج نہیں ہوگا۔ لہٰذا اس دارِفنا سے دل لگانے کی بجائے دائمی اور ابدی حیات کی تیاری کرنی چاہیے۔

؎ عدم کے کوچ کی لازم ہے فکر ہستی میں
نہ کوئی شہر نہ کوئی دیارِ راہ میں ہے (آتش)

قلندر بابا اولیاء کی رباعیات کا ایک بڑا حصہ مٹی اور مٹی کی تخلیقات کے بیان اور ان کی بے ثباتی پر مشتمل ہے ۔اُنہوں نے دُنیا کی نشو ونما میں کارِ فرما تخلیقی قوانین وفارمولوں کو منفرد انداز میں نظم ونثر میں بیان کیا ہے۔ اس حوالے سے قلندر بابا اولیاء کی چند رباعیات پیشِ خدمت ہیں۔

ـ " مٹی کی یہ مورت ہے یہ سب ٹوٹے گی
معلوم نہیں کسی کو کب ٹوٹے گی
ذرّوں میں بکھر جائیں گے رنج وراحت
آواز ذرا نہ ہو گی جب ٹوٹے گی " (۱۴۰)

ـ " مٹی کا ہے سینہ، مٹی کا شانہ ہے
مٹی کی گرفت میں تجھے آنا ہے
کچھ دیر پہنچنے میں لگے گی شاید
مٹی کی طرف چند قدم جانا ہے " (۱۴۱)

ـ " باغوں میں جو قمریاں ہیں سب مٹی ہیں
پانی میں جو مچھلیاں ہیں سب مٹی ہیں
آنکھوں کا فریب ہے یہ ساری دنیا
پھولوں میں جو تتلیاں ہیں سب مٹی ہیں " (۱۴۲)

ـ " مٹی سے نکلتے ہیں پرندے اُڑ کر
دُنیا کی فضا دیکھتے ہیں مڑ مڑ کر
مٹی کی کشش سے اب کہاں جائیں گے

مٹی نے انہیں دیکھ لیا ہے مڑ کر " (۱۴۳)

ے " معلوم ہے تجھ کو زندگانی کا راز

مٹی سے یہاں بن کے اُڑا ہے شہباز

اس کے پر و پرُزے تو یہی ذرے ہیں

البتہ کہ صناع ہے اس کا دم ساز " (۱۴۴)

مذکورہ بالا رباعیات کے تناظر میں چند قرآنی آیات ملاحظہ ہوں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

۱۔ "اور اُس نے تم کو زمین کی مٹی سے بنا کھڑا کیا اور تم کو اس میں بسایا"۔ (۱۴۵)

۲۔ "وہ ذات جس نے ہر چیز کو جو اُس نے پیدا کی اچھا بنایا اور انسان کی پیدائش مٹی سے شروع کی"۔ (۱۴۶)

۳۔ "لوگو! ہم نے تمہیں اسی زمین سے پیدا کیا اور اسی میں تمہیں لوٹائیں گے اور اُسی سے تمہیں دوسری بار نکالیں گے "۔ (۱۴۷)

یہ اور اس جیسی بے شمار قرآنی آیات ہیں کہ جن سے انسانی جسم اور دیگر جاندار اور بے جان اشیاء کا مٹی سے تخلیق ہونا، فنا ہو کر دوبارہ مٹی میں مل جانا اور روزِ محشر دوبارہ حکمِ باری تعالیٰ سے زندہ ہونا ثابت ہے۔

قدرت کے تخلیقی عناصر میں مٹی وہ خام مواد ہے جو شکل وصورت تبدیل کرتا رہتا ہے۔ اس حوالے سے خواجہ شمس الدین عظیمی صاحب کے بیان کے مطابق:

"زمین کے اُوپر بظاہر ہر چیز مٹی سے تخلیق ہو رہی ہے لیکن تخلیق کا اصل راز یہ ہے کہ مٹی کے اندر خالقِ کائنات کا اُمر متحرک ہے جو کہ مٹی کو مختلف سانچوں میں ڈھال کر مختلف شکلوں میں ظاہر کر رہا ہے۔ کنکر، پتھر، پودے، مختلف جانور، انسان دراصل مختلف سانچے ہیں اور مٹی کو نسمہ (روح) سے وابستہ کر رہی ہے۔ تخلیق کی یہ طرز خُدا کی بنائی ہوئی مشیت کے تحت کام کر رہی ہے۔ یہ تخلیقی روشنی ہے جسے تصوف میں یک رنگ روشنی اور قرآن میں ماء (پانی) کہتے ہیں"۔ (۱۴۸)

فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

"اور ہم نے سب چیزوں کو ایک اندازہ کے ساتھ پیدا کیا"۔ (۱۴۹)

قلندر بابا اولیاء مذکورہ بالا رباعیات کے ذریعے بنی نوع انسان کو یہ باور کروانا چاہتے ہیں کہ ہر تخلیق اپنی اصل سے گریزاں ہے۔ انسان جو مٹی کی تخلیق ہے اور اچھی طرح جانتا ہے کہ مٹی خود شکستگی اور فنا کی آئینہ دار ہے۔ بلکہ مٹی کی تخلیق کا ہر مظہر بزبانِ حال فنا کی لامتناہی داستان سُنا رہا ہے۔ انسان کو اس صورتحال سے نصیحت حاصل کرتے ہوئے کائنات میں واجب الوجوب ہستی ذاتِ باری تعالیٰ (جسے بقا اور دوام حاصل ہے) کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ اُس سے اپنا تعلق جوڑے رکھے جو فنا کے عمل سے محفوظ و مامون ہے اور ہمیشہ مداومت کی حامل ہستی ہے۔ درحقیقت ایک عارف باللہ ہی ان چیزوں کا مشاہدہ کر کے خُدا کی قدرت کا برملا اظہار کر سکتا ہے۔

ان رباعیات میں حسبِ ذیل تراکیب موضوع کی وضاحت بھی کرتی ہیں اور موضوع کے ذیلی زاویوں کو بھی متعارف کرتی ہیں۔ مٹی کی مورت، مٹی کا سینہ، قمریوں، مچھلیوں اور تتلیوں کا مٹی ہونا، مٹی سے بنا اُڑتا شہباز پیالہ بھری مٹی، پرزے، ذرے اور صناع جیسی تراکیب سے پتہ چلتا ہے کہ تخلیق کار کا ذہن آگہی اور معرفت کے کن مرحلوں سے دوچار ہوتا رہا ہے۔

قلندر بابا اولیاء نے اپنی رباعیات میں زندگی کے تغیر و بے ثباتی کو مختلف حوالوں سے بیان کیا ہے۔ جن میں سے ایک حوالہ وقت کا بیان، اُس کی اہمیت اور ہماری زندگیوں پر اس کے اثرات کا ہے۔ سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشادِ گرامی ہے کہ:

"لِی مَعَ اللّٰہِ وَقْت"

ترجمہ: "وقت میں میرا اور اللہ تعالیٰ کا ساتھ ہے"۔ (۱۵۰)

دراصل انسان، روح، وقت، حیات و کائنات جیسے اہم عوامل کی صحیح اور مکمل تشریح ممکن نہیں۔

وقت کے حوالے سے قلندر بابا کی چند رباعیات دی جا رہی ہیں۔

ے " گم ہو گیا بس اس کے سوا کیا معلوم
کس سمت سے وہ نکل گیا کیا معلوم
ممکن نہیں اُس تک ہو رسائی اپنی

جو وقت گیا کہاں گیا کیا معلوم "　　　(۱۵۱)

ے　" دُنیا وہ نگر ہے کہ جہاں کچھ بھی نہیں

انسان وہ گھر ہے کہ جہاں کچھ بھی نہیں

وقت کہ سب جس کو اہم کہتے ہیں

وہ وقت صفر ہے کہ جہاں کچھ بھی نہیں "　　　(۱۵۲)

ے　" مرنے جینے میں فاصلہ کتنا ہے

اِک آن کا وقفہ بھی نہیں اتنا ہے

اِک آن اگر وقت کبھی رُک جائے

معلوم یہ ہو جائے کہ یہ جتنا ہے "　　　(۱۵۳)

قلندر بابا نے ان رباعیات کے ذریعے زندگی کی اس بڑی حقیقت کی نشاندہی کی ہے کہ زندگی جو مسلسل تغیر پذیر اور فنا کے رستے پر گامزن ہے یہ سب وقت ہی کا مرہون منت ہے۔ جو وقت ہم کارآمد گزارتے ہیں وہ ہماری زندگی کا حاصل ہے۔ اور جو وقت ہم ضائع کر دیتے ہیں وہ ہماری زندگی میں لاحاصل عمل ہے۔

بقول خواجہ شمس الدین عظیمی کے:

"وقت (Time) اللہ تعالیٰ کا نُور اور مکان (Space) اللہ تعالیٰ کی تخلیق ہے۔ وقت کا علم رکھنے والا نہ صرف تخلیق کے راز سے واقف ہو جاتا ہے۔ بلکہ جان جاتا ہے کہ معرفت کا خزانہ روح میں دفن ہے۔ لہٰذا ظاہر سے پہلے باطن کا کھوج لگانا ضروری ہے۔ اس طرح وہ سمتوں کے گرداب میں نہیں پھنستا اور اپنی ذات کے عرفان سے خالقِ کائنات کا عرفان حاصل کر لیتا ہے"۔　　　(۱۵۴)

(ہ) پندونصائح

انسانی فلاح کے تناظر میں عمومی پندونصائح کی حیثیت آفاقی ہوتی ہے۔معاشرہ اپنی بہتری کے لیے بڑی حد تک پندو نصائح کا محتاج رہا کرتا ہے۔ اس حوالے سے سب سے اعلیٰ وافضل وعظ ونصیحت کلامِ خُداوندی اور ارشاداتِ نبویؐ ہیں۔اللہ تعالیٰ نے خود اپنے انبیاء کرامؑ کو عمدہ کلام، دلائل اور خیر سے مزین نصائح کے ساتھ اپنے رب کی طرف بلانے کی تاکید کی۔

۱) "اپنے رب کی راہ کی طرف بلاؤ۔ پکی تدبیر اور اچھی نصیحت سے"۔ (۱۵۵)

۲) "آپ نصیحت کریں بے شک آپ کو نصیحت کرنے والا بھیجا گیا ہے"۔ (۱۵۶)

۳) "اور سمجھاؤ کہ سمجھانا مسلمانوں کو فائدہ دیتا ہے"۔ (۱۵۷)

جہاں وحی نصیحت کے کارگر ہونے کی نشاندہی کرتی ہو پھر اسے نظر انداز کرنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ قرآن کریم میں نصیحت کی حکمتوں کو بھی بیان فرمایا ہے۔اگر نصیحت حکمتوں سے عاری نہ ہو تو انسانی معاشرہ اخلاقی عروج کی طرف سفر کرنے لگتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قلندر بابا اولیاء نے نصیحتوں کے لیے مناسب پیرائے، بہتر لفظیات اور مؤثر تراکیب وتشبیہات کا استعمال کیا ہے تاکہ ناواقف لوگ جہالت کے اندھیروں سے باہر نکل آئیں اور کارآمد شہری بنتے چلے جائیں۔قلندر بابا کے یہاں نصیحت کے انداز، موضوعات اور مواد کی کمی نہیں۔اس لیے اُن کی نصیحتیں یکسانیت کا شکار نہیں ہوتیں اور پوری وسعت اور کشادگی کے ساتھ قاری کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہیں۔

ذیل میں قلندر بابا کی رباعیات سے چند منظوم پندونصائح کو اس تناظر میں زیرِ بحث لایا جارہا ہے۔

ے "اچھی ہے بُری ہے دہر فریاد نہ کر
جو کچھ کہ گزر گیا اُسے یاد نہ کر
دو چار نفس عمر ملی ہے تجھ کو
دو چار نفس عمر کو برباد نہ کر" (۱۵۸)

ے "افلاک سے تجھ کو یہ اُمیدیں ہیں فضول
زخموں کو کُرید نا ہے ان کا معمول
ساقی کی طرف دیکھ طلب کر بادہ
جُز بادہ نہیں ہے کچھ بھی زخموں کو قبول " (۱۵۹)

ے " دُنیا سے ہے اُمید وفا کی تجھ کو
کھائے گی قسم فریب دے گی تجھ کو
دے قرض متاعِ زیست، کرنا دانی
لوٹا کے یہ کوڑی بھی نہ دے گی تجھ کو " (۱۶۰)

یہ دُنیا معانی ومفہوم کی دُنیا ہے ایک بات اگر کسی کے لیے خوشی کا باعث بنتی ہے تو دوسرے کے لیے پریشانی اور دُکھ کا باعث بن سکتی ہے۔ جو جیسے معانی پہنا دیتا ہے اس کے اوپر ویسے اثرات مرتب ہو جاتے ہیں۔ تو اس دُنیا کے جھمیلوں میں پڑ کے وقت نہ برباد کیا جائے۔

قلندر بابا اولیاء نے مندرجہ بالا رباعیات کے ذریعے یہ بڑی حقیقت واضح کی ہے کہ اس دُنیا میں کچھ بھی اچھا یا بُرا نہیں ہوتا سب کچھ من جانب اللہ ہے۔ فریاد نہ کرنا اور صبر وتحمل سے کام لینا زندگی کو پُر امن اور پرسکون بنانے کا ذریعہ ہے۔

بقول حاؔلی:

ے مصیبت کا ہر اک سے احوال کہنا
مصیبت سے ہے یہ مصیبت زیادہ

ویسے بھی فرمانِ باری تعالیٰ ہے کہ:

"جو مصیبت بھی زمین پر یا تمہاری جانوں پر پڑتی ہے ایسی نہیں ہے جو اس سے پہلے ہی کہ ہم اسے پیدا کریں کتاب میں نہ لکھی جا چکی ہو بے شک یہ (لکھنا) اللہ تعالیٰ پر آسان ہے"۔ (۱۶۱)

مزید کہتے ہیں:

ے "اِک آن ہے مے خانہ کی عمرائے ساقی
اِک آن کے بعد کیا رہے گا باقی
اِک آن میں ہو گی کہکشاں خاکستر
اِک آن کا فائدہ اُٹھا لے ساقی " (۱۶۲)

ے "تو آج خُدارا کل کے بارے میں نہ سوچ
آئے گی اُجل، اُجل کے بارے میں سوچ
رشتہ تو ہمارا ہے ازل سے لیکن
پی اور پلا ازل کے بارے میں نہ سوچ " (۱۶۳)

فرمانِ باری تعالیٰ ہے کہ:

" کہہ دو کہ دُنیا کا فائدہ بہت تھوڑا ہے اور بہت اچھی چیز تو پرہیز گار کے لیے آخرت ہے"۔ (۱۶۴)

قلندر بابا نے اپنی کئی رباعیات کے ذریعے یہ پیغام عام کرنے کی کوشش کی ہے کہ زندگی کی اصل لمحۂ موجود میں ہے جس نے اس راز کو پا کر اپنا آج سنوار لیا اُس نے اپنا کل سنوار لیا جو سمجھ دار لوگ ہیں وہ جان جاتے ہیں کہ قدرت ہمیں خود سے جُدا نہیں کرنا چاہتی اس لیے چاہتی ہے کہ ہم زندگی کی اصل حقیقت کو جان لیں اور ہمارا آج درست خطوط پر استوار ہو جائے تا کہ قربِ خُداوندی کے حقدار بن سکیں اس لیے قلندر بابا معرفتِ حق کی شراب پینے اور پلانے پر زور دیتے ہیں۔ تا کہ فانی دُنیا کو سب کچھ سمجھ کر ہم اپنی آخرت تباہ نہ کر لیں۔

ے یک نظر بیش نہیں فرصتِ ہستی غافل
گرمی بزم ہے اک رقصِ شرر ہونے تک (غالبؔ)

اسی حوالے سے کچھ اور رباعیات کا جائزہ لیتے ہیں۔

ے "آنا ہے تیرا عالمِ روحانی سے
حالت تیری بہتر نہیں زندانی سے
واقف نہیں میں وہاں کی حالت سے عظیم
واقف ہوں مگر یہاں کی ویرانی سے" (۱۶۵)

ے "ہر ذرہ میں ہے لوح کی تحریر کا باب
ہر ذرہ ہے آئینہ ہستی کا جواب
پڑھ سکتے ہیں صاف کل جو ہوگا انجام
ہر ذرہ نے آج کھول رکھی ہے کتاب" (۱۶۶)

قلندر بابا اولیاء مندرجہ بالا رباعیات کے ذریعے دُنیا کی رنگینیوں میں ڈوبے ہوئے انسانوں کو سمجھانے کی کوشش کر رہے ہیں کہ انسان قائم و دائم عالمِ روحانی سے اس عارضی امتحان گاہ میں بہت مختصر وقت کے لیے آیا ہے۔ انسان گویا زندگی کی قید میں ہے۔

حدیث نبویؐ ہے کہ:

"یہ دُنیا مومن کے لیے قید خانہ ہے"۔ (۱۶۷)

اگر چہ اس زمین کے چپّے چپّے پر عبرت انگیز داستانیں بکھری پڑی ہیں ہر ذرہ خود پر گزری داستان سناتا ہے گویا ہر ذرہ میں ایک کتاب کُھلی ہوئی ہے۔ جو ہمیں خود پر غور و فکر کی دعوت دے رہا ہے۔ یہاں کچھ بھی بے مقصد نہیں۔ضرورت اس امر کی ہے کہ انسان اپنی اور کائنات کی حقیقت کو سمجھنے کی کوشش کرے۔

یہاں کی ویرانی کو وہاں کی ویرانی پر قیاس کر کے نتائج کا استخراج کرنا یا ذرے میں آفتاب کو دیکھنا ہر آدمی کے بس کی بات نہیں اس کے لیے مشاہدہ، مراقبہ اور حصول علم کی ضرورت ہے۔

حوالہ جات (باب سوم)

۱) ابونصیر سراج، اللمع فی التصوف، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد ۲۰۰۰ء۔ص۔۱۲

۲) وقار یوسف عظیمی ڈاکٹر، مقالہ پی ایچ ڈی " سلسلہ عظیمیہ اور اُس کی علمی وسماجی خدمات "، مکتبہ روحانی ڈائجسٹ ۲۰۰۷ء۔ص۔۳۶

۳) شمس الدین عظیمی خواجہ، احسان وتصوف، شعبہ علوم اسلامیہ بہاؤالدین ذکریا یونیورسٹی، ملتان، ۲۰۰۴، ص۔۳۱۔۳۲

۴) القرآن، سورۃ آل عمران، آیت۔۳۱

۵) ایضاً۔آیت۔۱۹۱

۶) القرآن، سورۃ الشمس، آیت۔۱۰

۷) القرآن، سورۃ العنکبوت، آیت۔۶۹

۸) القرآن، سورۃ یوسف، آیت۔۸۶

۹) علی بن عثمان ہجویری سید، کشف المحجوب، اسلامی کتب خانہ اُردو بازار لاہور، سن ندارد، ص۔۵۸

۱۰) محمد حفیظ الرحمٰن ڈاکٹر، تصوف اور صوفیا کی تاریخ، سیونتھ، سکائی پبلی کیشنز لاہور، ۲۰۱۴، ص۔۱۵۱

۱۱) حدیث جبرئیل، صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب المعرفۃ الایمان۔۔۔۔ح/بروایت حضرت عمرؓ

۱۲) قلندر بابا اولیاء، رباعیات، مکتبہ عظیمیہ اُردو بازار لاہور، ۱۹۹۵، ص۔ا

۱۳) ایضاً۔ج

۱۴) محمد حفیظ الرحمٰن ڈاکٹر، تصوف اور صوفیا کی تاریخ، ص۔۲۱۰

۱۵) ایضاً۔ص۔۴۶

۱۶) خلیق احمد نظامی پروفیسر، تاریخ مشائخ چشت، ادارہ، ادبیات دلی، ۱۹۸۰، ص۔۱۲۸

۱۷) چشتی یوسف سلیم پروفیسر، تاریخ تصوف، علماء اکیڈمی، لاہور، ۱۹۸۶ء، ص۔۱۰۰

١٨) القرآن، سورۃ الکھف، آیت ۔١١

١٩) القرآن، سورۃ الاعلیٰ، آیت ۔١۴

٢٠) عبدالماجد دریابادی مولانا، تصوف اوراسلام، ادارہ دارالمصنفین، اعظم گڑھ، س ن، ص ۔٣

٢١) صفدرعلی بیگ مرزاڈاکٹر، تصوف اوراُردو کی صوفیانہ شاعری، علمی انجمن دریا گڑھ، نئی دہلی، ١٩٨٦ء ۔ ص ۔٦٣

٢٢) القرآن، سورۃ الحدید، آیت ٣

٢٣) القرآن، سورۃ النورہ، آیت ۔٣٥

٢۴) القرآن، سورۃ البقرہ، آیت ۔١١٥

٢٥) القرآن، سورۃ النساء، آیت ۔١٢٦

٢٦) سلسلۃ الحادیث الضعیفۃ ولاموضوعۃ، الرقم: ٦٠٢٣

٢٧) مشتاق احمد عظیمی میاں، خانقاہی نظام، مکتبہ عظیمیہ اُردو بازارلاہور، ١٩٩۴، ص ۔١٩٧

٢٨) سعیدہ خاتون عظیمی، قرآن اورتصوف، الکتاب پبلی کیشنز، کراچی، ٢٠٠٨، ص ۔٦٨ ۔٧٠

٢٩) شمس الدین عظیمی خواجہ، شرح لوح وقلم، الکتاب پبلی کیشنز کراچی، ٢٠٠٣، ص ۔۴٧ ۔٢٥

٣٠) شمس الدین عظیمی خواجہ، احسان وتصوف، ص ۔١٧۴

٣١) شاہ ولی اللہ دہلوی، رسائل شاہ ولی اللہ دہلوی، جلداول، تصوف فاؤنڈیشن لاہور، ١٩٩٩ء ص ۔١٣١

٣٢) شمس الدین عظیمی خواجہ، تذکرہ قلندر باباولیاء، مکتبہ تاج الدین باباولیاء، کراچی، س، ن، ص ۔١٦٦ ۔١٦٧

٣٣) وقاریوسف عظیمی ڈاکٹر، سلسلہ عظیمیہ اوراُس کی علمی وسماجی خدمات، ص ۔٢٦٥ ۔٢٦٦

٣۴) رضاحیدرڈاکٹر، مقالہ پی ایچ ڈی اُردوشاعری میں تصوف اورروحانی اقدارغالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی، ٢٠٠٧، ص ۔٣۴٣

٣٥) ایضاً ص ۔١١٣

۳۶) ایضاً۔ص۔۹۷

۳۷) انور سدید ڈاکٹر، اُردو ادب کی تاریخ، عزیز بک ڈپو، اُردو بازار، لاہور۲۰۱۳ء، ص۔۶۹

۳۸) امتیاز رومی، اُردو شاعری میں تصوفblogspot.com، ۲۰۱۷

۳۹) انور سدید ڈاکٹر، اُردو ادب کی تاریخ۔ص۔۷۳

۴۰۔۴۱) جمیل احمد انجم پروفیسر، تاریخ زبان وادب اُردو، علمی کتاب خانہ، اُردو بازار، لاہور، س ن، ص۔۲۸

۴۲) انور سدید ڈاکٹر، اُردو ادب کی تاریخ، ص۔۷۵

۴۳ صابر کلوروی ڈاکٹر، (مرتبہ) خیابانِ اُردو (حصہ اول)، نیو کلاسک پبلشرز نوشہرہ، ۲۰۰۲ء (ص۔۱۸۰)

۴۴ محمد حسین آزاد مولانا، آبِ حیات، اُتر پردیش اُردو اکادمی لکھنو، ۲۰۰۳، ص۔۱۸۹

۴۵) میر دردؔ دہلوی خواجہ، دیوانِ دردؔ، مجلس ترقی ادب لاہور، ۱۹۸۸ء، ص۔۱۱۹۔۲۱۲

۴۶ حامدی کاشمیری ڈاکٹر، انتخاب غزلیات میرؔ، قومی کونسل برائے فروغ اُردو زبان، نئی دہلی ۱۹۸۸، ص۔۱۸۔۲۵

۴۷ حیدر علی آتشؔ خواجہ، کلیات آتشؔ، اُردو مرکز لاہور، ۱۹۶۳، ص۔۱۵۳۔۲۳۶

۴۸ محمد مصطفیٰ صابری سید، غالبؔ اور تصوف، دارالاشاعت اسلامیہ کولوٹولہ اسٹریٹ، کلکتہ، ۱۹۷۷، ص۔۳۵۔۵۹۔۸۲

۴۹) عبدالقادر فاروقی پروفیسر ڈاکٹر، اُردو شاعری اور تصوف مطبعہ ابوالوفاء الافغانی جامعہ نظامیہ، حیدر آباد، ۲۰۰۹، ص۔۴۵۷۔۴۵۸

۵۰) محمد اقبال علامہ، کلیاتِ اقبال، عظیم اینڈ سنز پبلشرز، لاہور ۲۰۱۳، ص۔۱۰، (ضرب کلیم) ص، ۲۰، ۱۴۹، (بالِ جبریل)

۵۱) امتیاز رومی، اُردو شاعری میں تصوف (بلاگ)

۵۲) (مرتبہ) صابر کلوروی ڈاکٹر، خیابانِ اُردو (حصہ اول)، ص۔۲۲۹

۵۳) عبدالقادر فاروقی پروفیسر ڈاکٹر، اُردو شاعری اور تصوف (ص۔۵۱۱۔۵۱۳)

۵۴) شمس الدین عظیمی خواجہ، تذکرہ قلندر بابا اولیاءؒ، ص۔۱۲۸

۵۵) قلندر بابا اولیاء، رباعیات، ص۔۴۴

۵۶) القرآن، سورۃ والتین، آیات، ۴ تا ۶

۵۷) عربی مقولہ، المحدث ابوالفضائل الحسن بن محمد الصفانی الموضوعات، ۱۹۸۰ء، ص۔۳۵

۵۸) قلندر بابا اولیاء، رباعیات۔ص۔۵۹

۵۹) ایضاً، ص۔۹۰

۶۰) القرآن، سورۃ آلِ عمران، آیت۔۱۹۰

۶۱) شمس الدین عظیمی خواجہ، تذکرہ قلندر بابا اولیاء، ص۔۱۴۳

۶۲) قلندر بابا اولیاء، رباعیات، ص۔۱۳۸

۶۳) ایضاً، ص۔۱۱۴

۶۴) ایضاً، ص۔۱۱۵

۶۵) القرآن، سورۃ الذاریات، آیت، ۵۶

۶۶) سلسلۃ الحادیث الضعیفۃ ولا موضوعۃ، الرقم: ۶۰۲۳

۶۷) عربی مقولہ، المحدث ابوالفضال الحسن، الموضوعات، ص۔۳۵

۶۸) ایضاً

۶۹) اسلام ویب hadith.islam.web.net

۷۰) القرآن، سورۃ الزمر، آیت۔۶۷

۷۱) علی بن عثمان ہجویریؒ سید، کشف المحجوب، ص۔۳۶۴

۷۲) صفی حیدر دانش سید، تصوف اور اُردو شاعری ، سندھ ساگر اکادمی، لاہور، ۱۹۴۸ء، ص۔۱۱۱

۷۳) قلندر بابا ولیاء، رباعیات، ص۔۶۵

۷۴) ایضاً،ص۔۴۳

۷۵) ایضاً،ص۔۱۱۳

۷۶) ایضاً،ص۔۱۳۱

۷۷) ایضاً۔ص۔۱۸۱

۷۸) ایضاً۔ص۔۶۸

۷۹) سید احمد حسن ڈاکٹر،صوفیانہ شاعری میں عشق کا تصور،نکھار پریس لکھنو،۱۹۸۶ء،ص۔۱۲۴

۸۰) قلندر بابا اولیاء،رباعیات،ص۔۹۱

۸۱) ایضاً۔ص۔۵۲

۸۲) القرآن،سورۃ الحدید،آیت۔۲۱

۸۳) سید احمد حسن ڈاکٹر،صوفیانہ شاعری میں عشق کا تصور،ص۔۱۲۴

۸۴) قلندر بابا راولیاء،رباعیات،ص۔۱۰۴

۸۵) ایضاً۔ص۔۵۷

۸۶) ایضاً۔ص۔۱۷۶

۸۷) القرآن،سورۃ البقرہ۔آیت۔۲۶۹

۸۸) قلندر بابا اولیاء،رباعیات،ص۔۸

۸۹) القرآن،سورۃ المطففین،آیت۔۲۸

۹۰) القرآن،سورۃ الدھر،آیت۔۲۱

۹۱) القرآن، سورۃ الرعد۔آیت۔۳۹

۹۲) ترمذی الجامع الصحیح، کتاب القدر،باب ما جاء،لا پرد القدر الا دُعا

۹۳) القرآن،سورۃ البقرہ،آیت۔۲۰

۹۴) القرآن،سورۃ الکھف،آیت۔۱۷

۹۵) القرآن، سورۃ التکویر، آیت ۔۲۹

۹۶) صفدرعلی بیگ مرزا ڈاکٹر، تصوف اور اُردو کی صوفیانہ شاعری، ص۔۲۲۵

۹۷) ایضاً۔ص۔۲۲۶

۹۸) القرآن، سورۃ الاعراف، آیت ۔۲۸

۹۹) القرآن، سورۃ یونس، آیت ۔۱۰۸

۱۰۰) القرآن، سورۃ الرعد، آیت ۔۲۷

۱۰۱) ولی الدین ڈاکٹر، قرآن اور تصوف، دارالندوہ المصنفین دہلی، ۱۹۶۸، ص۔۱۵۳

۱۰۲) میر درؔد خواجہ، علم الکتاب، المطبع الانصاری، دہلی، س ن، ص۔۳۶۹

۱۰۳) قلندر بابا اولیاء، رباعیات، ص۔۱۷۶

۱۰۴) ایضاً، ص۔۱۵۳

۱۰۵) ایضاً، ص۔۱۴۵

۱۰۶) ایضاً، ص۔۵۸

۱۰۷) القرآن، سورۃ الروم، آیت ۔۴

۱۰۸) شمس الدین عظیمی خواجہ، تذکرہ قلندر بابا اولیاء، ص۔۱۴۲

۱۰۹) ولی اللہ میر، کاس الکرام، ص۔۳۸۳

۱۱۰) قلندر بابا اولیاء، رباعیات، ص۔۴۲

۱۱۱) ایضاً، ص۔۱۳۵

۱۱۲) القرآن، سورۃ القمر، آیات ۔۵۲۔۵۳

۱۱۳) حافظ شیرازی، دیوانِ حافظ، غزل ۵، ۲۰۱۷

۱۱۴) قلندر بابا اولیاء، رباعیات، ص۔۱۵۱

۱۱۵) ایضاً، ص۔۷۹

۱۱۶) القرآن، سورۃ ال عمران، آیت۔۱۸۹

۱۱۷) القرآن، سورۃ الرحمٰن، آیت۔۲۶

۱۱۸) القرآن، سورۃ آل عمران، آیت۔۱۸۵

۱۱۹) القرآن، سورۃ المومن، آیت۔۳۹

۱۲۰) القرآن، سورۃ العنکبوت، آیت۔۶۴

۱۲۱) قلندر بابا اولیاء، رباعیات، ص۔۹

۱۲۲) ایضاً، ص۔۱۴

۱۲۳) ایضاً، ص۔۱۲۴

۱۲۴) ایضاً، ص۔۱۷۲

۱۲۵) ایضاً، ص۔۲۷

۱۲۶) ایضاً، ص۔۲۵

۱۲۷) القرآن، سورۃ العنکبوت، آیت۔۵۷

۱۲۸) القرآن، سورۃ مریم، آیت۔۹۸

۱۲۹) القرآن، سورۃ النساء، آیت۔۷۸

۱۳۰) القرآن، سورہ یونس، آیت۔۹۲

۱۳۱) قلندر بابا اولیاء، رباعیات، ص۔۵۶

۱۳۲) ایضاً، ص۔۱۱۲

۱۳۳) ایضاً، ص۔۱۱۶

۱۳۴) سید احمد حسن ڈاکٹر، صوفیانہ زندگی میں عشق کا تصور، ص۔۱۴۶

۱۳۵) قلندر بابا اولیاء، رباعیات، ص۔۴۵

۱۳۶) ایضاً، ص۔۱۴۴

۱۳۷) القرآن،سورۃ الرعد،آیت۔۲۶

۱۳۸) القرآن،سورۃ بنی اسرائیل،آیت۔۲۱

۱۳۹) القرآن،سورۃ الاعلیٰ،آیت۔۱۶۔۱۷

۱۴۰) قلندر بابا اولیاء،رباعیات،ص۔۱۱۳

۱۴۱) ایضاً،ص۔۱۴۶

۱۴۲) ایضاً،ص۔۸۱

۱۴۳) ایضاً،ص۔۴۸

۱۴۴) ایضاً،ص۔۴۹

۱۴۵) القرآن،سورۃ ھود،آیت۔۲۱

۱۴۶) القرآن،سورۃ السجدہ،آیت۔۷

۱۴۷) القرآن،سورۃ طٰہٰ،آیت۔۵۵

۱۴۸) ماہنامہ روحانی ڈائجسٹ،کراچی،دسمبر۱۹۸۵

۱۴۹) القرآن،سورۃ القمر،آیت۔۴۹

۱۵۰) شمس الدین عظیمی خواجہ،وقت،انصاری بک سینٹر،کراچی،۲۰۱۱ص۔۷

۱۵۱) قلندر بابا اولیاء،رباعیات،ص۔۶۹

۱۵۲) ایضاً،ص۔۸۶

۱۵۳) ایضاً،ص۔۱۶۸

۱۵۴) ماہنامہ روحانی ڈائجسٹ،کراچی،مئی ۲۰۰۳

۱۵۵) القرآن،سورۃ النحل،آیت۔۱۳۵

۱۵۶) القرآن،سورۃ الغاشیہ،آیت۔۲۱

۱۵۷) القرآن،سورۃ الذاریٰت،آیت۔۵۵

۱۵۸) قلندر بابا اولیاء، رباعیات، ص۔۴۰

۱۵۹) ایضاً۔ص۔۶۱

۱۶۰) ایضاً۔ص۔۱۰۰

۱۶۱) القرآن، سورۃ الحدید، آیت۔۲۲

۱۶۲) قلندر بابا اولیاء ، رباعیات، ص۔۱۴۲

۱۶۳) ایضاً۔ص۔۲۸

۱۶۴) القرآن، سورۃ النساء، آیت۔۷۷

۱۶۵) قلندر بابا اولیاء، رباعیات، ص۔۱۷۰

۱۶۶) ایضاً، ص۔۱۹

۱۶۷) حدیث، صحیح مسلم/الذاہد1 (۲۹۵۶) سنن ابن ماجہ/الزاہد۳ (۴۱۱۳) تحفۃ الاشراف (۱۴۰۵۵)،
سنن ترمذی، حدیث نمبر۲۳۲۴

باب چہارم
سید محمد عظیم برؔخیا کی رباعیات میں جمالیاتی عناصر

فصل اوّل: **جمالیات کیا ہے؟**

ڈاکٹر نصیر احمد ناصر کے نزدیک،

"جمالیات فلسفہ ہے حسن اور فنکاری کا.....
جمالیات سے مراد اربابِ فلسفہ کے وہ نظریئے ہیں جو حسن اور اُس کے
کوائف ومظاہر (جن میں فنون لطیفہ بھی شامل ہے) کی تحقیق وتشریح میں
پیش کیے گئے ہیں"۔ (۱)

جمالیات کی ایک معلوم تاریخ ہے جس میں ارتقائی منزلوں کو طے کرتے ہوئے کئی تصورات پیدا ہوئے۔ یونانی فلسفیوں خصوصاً فیثا غورث، نٹشے، کروچے وغیرہ نے اسے فلسفے کا ایک پہلو قرار دیا۔ ارسطو نے اسے حسن، حسن کی فطرت و ماہیت اور فنون لطیفہ سے قریب تر کہا اور فن کارانہ تجربے کو جمالیاتی تجربہ سمجھا۔

"جرمن فلسفی بام گارٹن نے سب سے پہلے فلسفہ حسن Aesthetics
یعنی جمالیات کی اصطلاح استعمال کی۔ اور یہ کہا کہ یہ فلسفے کا ایک علیحدہ
مستقل موضوع ہے۔ اس اصطلاح کا ماخذ یونانی لفظ Aisthetilcos
ہے اس کے معنی ایسی شے کے ہیں جس کا ادراک حواس کے ذریعے
ہو بام گارٹن نے اس میں احساس اور ادراک دونوں کو اہمیت دی اور
اسے ایک علم سے تعبیر کیا"۔ (۲)

جمالیات یوں تو فلسفے ہی کا ایک شعبہ ہے لیکن اس نے اب ایک الگ اور مستقل حیثیت اختیار کر لی ہے کہا جا سکتا ہے کہ جمال حسن ہے جبکہ جمالیات فلسفہ حسن ہے۔

اگرچہ حسن کو کسی بھی شکل وصورت میں ظاہر کرنے کے ہنر کو فن کہتے ہیں مگر فنی کمال یہ ہے کہ حسن کو درست سمت اور صحیح تناسب میں پرکھا جائے۔ حسن اور فن کے اسی تناسب کو جمالیات کہا جاتا ہے۔ فنون لطیفہ کی کوئی بھی قسم ہو، مصوری، نقاشی، شعر وادب، حسنِ فطرت ان سب سے حسن کے اثرات کو قبول کرنا انسانی جبلّت میں داخل ہے۔ جمالیاتی احساس کے بغیر تخلیق میں نہ تو ظاہری دلکشی پیدا ہو سکتی ہے نہ معنوی حسن۔

زاہد ہمایوں اس سلسلے میں کہتے ہیں۔

"حسن کی کیفیت (Objective) یعنی حسن معروض اور حسن کی کیفیت (Subjective) یعنی حسن موضوع اگر یکجا ہو جائے تو حسن کامل کا پیکر بنتا ہے اور اصطلاح میں اسے جمال کی کلّیت (Totality) یعنی جمالیات (Aesthetics) کہتے ہیں۔

جب حسنِ معروض اور حسنِ موضوع یعنی ظاہر اور باطن کسی فن پارے کا جزوِ لازم بن جاتے ہیں تو پھر وہ فنی تخلیق زندہ جاوید بن جاتی ہے"۔ (۳)

معروضی نقطہ نظر کے مطابق حسن ظاہر یا خارج ہی میں پایا جاتا ہے اور اسے اپنی موجودگی ثابت کرنے کے لیے باطنی یا اندرونی حسیات کی ضرورت نہیں ہوتی۔ جبکہ موضوعی نقطہ نظر کے ماننے والوں کے نزدیک دنیا کا الگ سے وجود نہیں ہے بلکہ حقیقت کا وجود ہے۔

قرآنِ حکیم نے موضوعیت اور معروضیت کو یکجا کر کے وحدتِ جمال کا نظریہ پیش کیا۔ جس سے حقیقت تک پہنچنے میں آسانی ہوگئی اور یہ ثابت ہو گیا کہ انسان حسنِ معروض کے مشاہدے سے حسنِ موضوع تک پہنچ سکتا ہے۔ قرآنِ مجید کو پروفیسر شکیل الرحمٰن جمالیات کا سرچشمہ تصور کرتے ہیں۔

خاص طور پر سورۃ نور میں جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو زمین و آسمان کا نور قرار دیا ہے اور اُس کی مثال ایک فانوس سے دی ہے۔ جس میں رکھا ہوا روشن چراغ موتی کی طرح چمکتا ہوا تارا ہے۔

"اَلَّذِیٓ اَحۡسَنَ کُلَّ شَیۡءٍ خَلَقَهٗ" (۴)

ترجمہ: (اُس نے ہر چیز خوب ہی تخلیق کی ہے)

"لَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ فِیۡۤ اَحۡسَنِ تَقۡوِیۡم" (۵)

ترجمہ: (ہم نے انسان کو بہترین انداز کے ساتھ خلق کیا)

"صَوَّرَکُمۡ فَاَحۡسَنَ صُوَرَکُمۡ" (۶)

ترجمہ: (اور تمہاری صورتیں تو کیا ہی حسین صورتیں بنائیں)

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ قرآن مجید، جمالیات کا بھی ایک عظیم سرچشمہ ہے

پروفیسر شکیل الرحمٰن کے نزدیک:

"جمالیات ایک ایسی اصطلاح ہے جس کی تعریف وتوضیح پیش کرنا انتہائی مشکل کام ہے
کیوں کہ اس میں اتنی تہیں اور جہتیں پائی جاتی ہیں کہ ان کی تہوں اور جہتوں کو کھولنا اور ان
پر روشنی ڈالنے کا کام کبھی ختم نہیں ہوسکتا۔ کوئی ماہر جمالیات اس کی تہوں کو اتنا ہی کھول سکتا ہے
اور اس پر روشنی ڈال سکتا ہے جتنا اُس کا مشاہدہ وسیع ہوگا"۔ (۷)

جمالیات کا تعلق انسان اور اس کے سماج سے ہے انسان کے حواس خمسہ اور اس کے شعور، لاشعور سے ہے۔ انسان کی اپنی ذات کا حسن ہو یا دوسرے افراد کا، خالق کائنات کا ہو یا فطری وسماجی زندگی کا۔ انسان ہمیشہ حسن کی تلاش میں سرگرداں رہتا ہے۔ ہر انسان میں کم وبیش جمالیاتی شعور ہوتا ہے۔ تبھی وہ خوب سے خوب تر کی تلاش میں رہتا ہے۔

پروفیسر انور جمال کہتے ہیں۔

"وہ نقطہ نظر جس کی بنیاد جمال پر ہو جمالیاتی کہلاتی ہے۔ جمالیات فلسفے کی ایک اہم شاخ
ہے۔ جس میں حسن اور حسن کے متعلقات، اُس کی ماہیت وافادیت، حسن کے سرچشمے اور
ماخذات پر بحث کی جاتی ہے۔ مباحث میں فلاسفہ عالم میں اختلافات کے باوجود ایک
بات مشترک ہے کہ حسن آسودگی اور مسرت دیتا ہے۔ خواہ وہ حسن فنی تناسب وتوازن میں
ہو یا کسی انسان کے جسمانی اعضاء میں"۔ (۸)

یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ حسن بذات خود ایک حقیقت ہے اور اس کا ادراک اُسی وقت ممکن ہے جب اُسے ایک حسن شناس آنکھ میسر آئے۔

ؔ سوداؔ جو تیرا حال ہے اتنا تو نہیں وہ
کیا جانیے تو نے اُسے کس آن میں دیکھا (مرزا رفیع سوداؔ)

کائنات کی ہر شے میں رب کائنات کے جمالیاتی مظاہر بکھرے پڑے ہیں۔ رنگ برنگے پھول، سرسبز پتے، قوسِ قزح کے سات رنگ، مور کے خوبصورت پرَ، دریاؤں اور ندی نالوں کی روانی اور اٹھکیلیاں، آبشاروں سے نکلتی موسیقی، ویرانوں اور صحراؤں میں گونجتی، فجر کی اذان، چاندنی رات، بانسری کی آواز، یہ سب بھی تو

جمالیات کے ہی اجزاء ہیں۔

کائنات کی ہر ہر چیز سے بنانے والے کی جمالیاتی فراوانی کا اندازہ ہوتا ہے۔

ے دہر جز جلوۂ یکتائی معشوق نہیں

ہم کہاں ہوتے اگر حسن نہ ہوتا خود بیں (مرزا غالبؔ)

ادب اور جمالیات کا آپس میں بہت گہرا رشتہ ہے۔ زندگی کا نکھرا شعور جمالیات ہے۔ ادیب اور شاعر انسانی معاشرت کے نقاد اور راز داں ہوتے ہیں زندگی کے اسرار کو اس طرح دریافت کرتے ہیں کہ کوئی چھوٹے سے چھوٹا نقطہ بھی ان کی نظر سے پوشیدہ نہیں رہ سکتا۔ اور ادب تو ویسے بھی حسین پیکروں کا مجموعہ ہے لہٰذا کوئی بھی تحریر حسن وخوبی کو پس پشت ڈال کر ادب کا حصہ نہیں بن سکتی۔

فصل دوم:

رباعیاتِ برخیا میں جمالیاتی عناصر

شاعری کا دوسرا نام ہی جمالیات ہے یہ ایک وہبی اور عطائی حوالہ ہے۔شاعری جذبات کی تطہیری اور مرتب صورت ہے۔کوئی بھی شاعر ذہن میں جمالیات کا نصابی فلسفہ رکھ کر شعر تخلیق نہیں کرتا۔اس طرح کلام مصنوعیت کا حامل ہو جاتا ہے۔البتہ یہ بھی حقیقت ہے کہ ہر شاعر کو قدرت کی طرف سے جمالیات کا کچھ نہ کچھ حصہ ضرور ملا ہوا ہوتا ہے۔جسے پس منظر میں رکھ کر وہ اپنی بات کو مؤثر اور جاذب بناتا ہے۔

یہی حال قلندر بابا اولیاء کا بھی ہے اُنہوں نے جمالیات کے متعین فلسفے کو سامنے رکھ کر رباعیات تخلیق نہیں کیں۔بلکہ جو کچھ بھی کہا وہ اُن کے اندر کے جمالیاتی ماحول کا غمّاز بنتا رہا ہے۔

زیرِ نظر رباعیات کا مجموعی حوالہ جمالیات ہی کا حوالہ ہے۔اُن کے افکار اور تخلیق کی دنیا نہ صرف جمالیات کا ایک پس منظر رکھتی ہے بلکہ اُس کا منظر نامہ بھی جمالیات سے عبارت ہے۔قلندر بابا کے جمالیاتی اسلوب میں حُسن کا شعور اپنے بھرپور انداز میں ملتا ہے۔

فلسفہ جمالیات نے بعض مجرد حوالوں کا جمالیاتی تعین ضرور کیا ہے۔لیکن اُن حوالوں کو حتمی اور حرف آخر نہیں مانا جا سکتا۔وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ نہ صرف علم ترقی کر رہا ہے بلکہ زندگی کا ہر حوالہ ارتقاء پذیر ہوتا رہتا ہے۔اسی طرح جہاں قلندر بابا کی رباعیات میں غیر متعین جمالیاتی حوالے نگاہ کے سامنے آئیں گے۔بنیادی فلسفے کو نظر انداز کیے بغیر اُس کی خاص کیفیتوں کو واضح کیا جاتا رہے گا۔

اس سے پہلے کہ استغراقی جمالیاتی حوالوں کا تجزیہ کیا جائے۔یہاں حقیقت کی جانب ضرور اشارہ کیا جائے گا کہ قلندر بابا کی جمالیاتی دنیا کا کائنات کے مظاہر سے وابستگی کے ساتھ ساتھ روحانیت کے ساتھ بھی بڑا گہرا اور مربوط تعلق ہے۔قلندر بابا کے جمالیاتی احساس کا ایک بڑا ثبوت یہ بھی ہے کہ اُنہوں نے شاعری میں زیادہ تر رباعیات تخلیق کیں۔جس کے چار مصرعوں میں ایک مرکزی موضوع اُسے ایک اکائی بناتا ہے۔

(۱)　　وحدتِ جمال

کسی بھی خوبصورت چیز کو دیکھ کر خوش ہونا احساسِ جمال ہے اس کو Aesthetic Sence کہتے ہیں۔حسن، خیر اور نیکی کا جذبہ جمالیات کے عناصر ہیں۔انہی سے جمالیاتی احساس پیدا ہوتا ہے۔

ارشادنبویؐ ہے:

"اَللّٰہُ جَمِیۡلُ وَ یُحِبُّ اُلجَماَ لُ" (۹)

"اللہ تعالیٰ خوبصورت ہےاور خوبصورتی کو پسند کرتا ہے"

دیگر آسمانی کتابوں کے مقابلے میں قرآن میں اللہ تعالیٰ کی شانِ جمالی کی طرف بہت زیادہ توجہ دلائی گئی ہے ۔اسی وجہ سے اسلامی اور صوفیانہ ادب جمالِ الٰہی کے ذکر سے بھرا پڑا ہے۔اور صوفیانہ شاعری تو خصوصاً محبوب مطلق کے عشق ومحبت اور وصل وفراق کی کیفیات سے معمور ہے ان کیفیات کو بیان کرنے کے لیے کئی ایک استعارات اور کنایات کو کام میں لایا گیا ہے۔

ہر چند ہو مشاہدۂ حق کی گفتگو
بنتی نہیں ہے بادہ وساغر کہے بغیر　　　(غالبؔ)

قلندر بابا نے بھی اپنے محبوب حقیقی کے لافانی حسن کو سراہنے کے لیے خوب صورت تشبیہات واستعارات سے کام لیا ہے۔

مثال کے طور پر:

"چہرہ جسے دیکھیں تو کہیں ماہِ تمام
چلنا جسے دیکھیں تو کہیں ماہِ خرام
ساقی میں بتاؤں کیا جوان پر گزری
سو بار ہی خُم دیتے ہیں سو بار ہی جام"　　　(۱۰)

اس رباعی میں قلندر بابا کے نزدیک محبوب کا حسن و جمال اور رعنائی وزیبائی جسے ایک بار اپنی لپیٹ میں لے

لے تو وہ دائمی محبت کے ایسے نشے میں سرشار ہو جاتا ہے جسے پھر ایک کیا سو جام کا نشہ بھی ہرن نہیں کرسکتا۔

جزو میں کُل نظر آنا اور قطرہ میں دجلہ دکھائی دینا جمالیاتی عارفوں کا حصہ ہے۔ ذرّے میں کائنات کا مشاہدہ کرنا اور تفصیلات میں اجمالی حوالوں کو نظر انداز نہ کرنا قلندر بابا کے جمالیاتی تصوف یا صوفیانہ جمالیات کا خاص حوالہ بن کر سامنے آتا ہے۔ اس حوالے سے اُن کی کتاب میں جا بجا رباعیات موجود ہیں۔ جو موضوعی اور معروضی دونوں حوالوں سے اس طرف رہنمائی کرتی ہیں۔ اس سلسلے میں اُن کی مزید رباعیات دیکھیے۔

ے "ہے چاندنی رات ٹوٹ گئے سارے اُصول
ہے کوزہ سے منہ لگا کے پینا بھی قبول
ساقی کی نگاہیں بھی قیامت ہیں عظیمؔ
ہر چیز نظر آتی ہے نشہ کا نزول " (۱۱)

ے "اِک چاندنی رات کا ہے پینا ساقی
اِس چاندنی رات کا ہے جینا ساقی
ہے آج ہی زندگی کا اول آخر
کل زیرِ زمین ماہ نہ مینا ساقی " (۱۲)

ان رباعیات میں قلندر بابا نے جس طرح چاندنی رات کی فسوں کاری، محبوب کی نظرِ التفات، عاشق کی بے اختیاری، خمارزدگی اور والہانہ پن کا ذکر کیا ہے۔ یہ تمام حوالے مل کر جمالیات کی ایک مجموعی تصویر اُبھارتے ہیں اور اس تصویر میں قلندر بابا متحرک نظر آتے ہیں۔ اُن کی تخیل آفرینی اور حسن و فن کی وحدت اُن کے یہاں جمالیاتی لطف پیدا کر دیتی ہے۔

چاندنی رات میں جام کی بجائے صراحی سے پینے کا تقاضا پیدا ہونا ایک غیر روایتی انداز ہے اور غیر روایتی ہونا درحقیقت جمود کو توڑنے اور جمالیات کو اوڑھنے کے مترادف ہے اور یہ کام قلندر بابا نے مناسب لفظیات اور

تراکیب کی مدد سے بخوبی کیا ہے۔

ان رباعیات میں رات کا ذکر جس انداز سے کیا گیا ہے اُس سے پتہ چلتا ہے کہ رات کی تاریکی میں جو گہرائی اور پراسراریت ہے وہ دن کی روشنی میں نہیں۔ دن کے مقابلے میں رات کی حسّیات انسان کو لاشعور سے زیادہ قریب کر دیتی ہیں۔ کیونکہ لاشعوری حواس کی رفتار شعوری حواس سے کہیں زیادہ ہوتی ہے۔اور پھر چاندنی رات کے سناٹے اور دودھیا روشنی میں خود کو میسر آنا اور یکسوئی کے ساتھ محبوب کی طرف متوجہ ہونا جس طرح روح میں ایک جمالیاتی لذت اور خوشی کا احساس پیدا کرتا ہے۔ یہ اپنے انداز کی جمالیات ہیں جنہیں قلندر بابا زاویہ در زاویہ مختلف رباعیات میں اُجاگر کرتے ہیں۔

مثلاً ایک جگہ کہتے ہیں:

" مے خانہ میں ہیں ساقی و مینا باہم
روشن شب و مہتاب کا چہرہ باہم
جادو ہے عجب طرح کا آنکھوں کے لیے
خم اور سبو دونوں کا سایہ باہم " (۱۳)

بظاہر یہ رباعی خمریہ یا رندانہ دکھائی دیتی ہے جو خمار اور بے خودی کو تصویر کرنے کے لیے تخلیق کے عمل سے گزاری گئی ہو۔لیکن قلندر بابا کی زندگی، اُن کے مزاج اور اُن کی اُفتادِ طبع کو دیکھتے ہوئے ذہن تقاضا کرتا ہے کہ اس کے اندر سچائی کا ایک سفر چل رہا ہے جو منزل تک پہنچانے والا ہے۔

ظاہر ہے مے خانہ، ساقی اور مینا کا باہم ہونا، شب اور مہتاب کا ایک ساتھ چمکنا، خم و سبو کا ہمسایہ ہو جانا اور پھر ان تمام کیفیات کو آنکھوں کے لیے جادو کی مانند قرار دینا جیسے جمالیاتی استعاروں کا استعمال خالی از مصلحت نہیں۔ کیونکہ آنکھیں مظاہر میں اُلجھ جاتی ہیں ہر ظاہری نظارہ اُنہیں اپنی طرف متوجہ کر لیتا ہے چنانچہ اس پیرائے میں آپ یہ کہنا چاہ رہے ہیں کہ مظاہر کے اس معلوم دائرے کو توڑ کر معرفت کی دنیا کی طرف آنا چاہیے اور یہی جمالیات کا فائدہ ہے کہ انکشافات کے دروازے کُھل جائیں۔

ـ ہو دید کا جو شوق تو آنکھوں کو بند کر
ہے دیکھنا یہی کہ نہ دیکھا کرے کوئی (علامہ اقبالؔ)

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَ رْضِ" (۱۴)

ترجمہ: (اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کا نور ہے)

قرآن نے یہاں یہ نہیں کہا کہ اللہ تعالیٰ نور ہے بلکہ یہ کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔ نور اُس کی لامحدود صفات میں سے ایک صفت ہے جسے اُس کا حسن و جمال بھی کہا جا سکتا ہے اگر ایک طرف اُس کے اس نور اور جمال نے کائنات کے ذرے ذرے کو اپنی لپیٹ میں لیا ہوا ہے تو دوسری طرف اُس کا یہ نور انسان کے اندر روح کی صورت میں موجود ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو یہ کائنات اُس کے لیے عدم ہوتی۔ انسان کے اندر یہ نورِ خداوندی ہی ہے کہ کائنات اس کے لیے محسوس و مشہود ہے۔

ـ جو نقش ہے ہستی کا دھوکہ نظر آتا ہے
پردے میں مصور ہی تنہا نظر آتا ہے (اصغر گونڈویؔ)

اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قلندر بابا کہتے ہیں کہ:

ـ "جب تک ہے چاندنی میں ٹھنڈک کی لکیر
جب تک کہ لکیر میں ہے خُم کی تصویر
جب تک کہ شب مہ کا ورق ہے روشن
ساقی نے کیا ہے مجھے ساغر میں اسیر " (۱۵)

ـ "مے خانے میں چاندنی بھی ہے سایہ بھی
مٹی کے سفال کا ہے سرمایہ بھی
اس نور کی دنیا میں بھلا ہوش کسے
اِک آن کو آیا ہے جو ہوش آیا بھی " (۱۶)

یہاں قلندر بابا ایسی حقیقت کی طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ دُنیا کا سارا نظام نور کی لہروں پر قائم و دائم ہے۔ چاند کی یہ ٹھنڈی روپہلی مسحور کن روشنی دراصل نورِ مطلق کا جلوہ و عکس ہے۔

جو کائنات کے ذرے ذرے کو روشن کر رہا ہے وہ یہاں حُسن ازل کو سراہتے ہوئے چاند کو خُم سے تشبیہ دیتے ہیں۔ کیونکہ ایک عاشق حقیقی ہی کائنات کی ہر چیز میں حسن ازل کی جھلک دیکھ کر اُس کا اسیر ہو سکتا ہے اور اُس کا یقین کامل ہے کہ جس دن نور کا یہ نظام درہم برہم ہو گیا تو پھر نہ خم رہے گا نہ مے، نہ چاند، نہ چاندنی اور نہ ہی اسے سراہنے اور اس کے اسیر ہونے والے فانی انسان سوائے اُس ذاتِ واحد اور حُسنِ مطلق کے جسے کبھی زوال نہیں اور یہ خیال بجائے خود جمالیات کا تیقن ہے۔

ان رباعیات میں ایک طرف موضوعاتی حسن مضمر ہے تو دوسری جانب ان کی لفظیات کا چناؤ صوتی اثر اور مجموعی تاثر بھی جمالیات کی ایک خاص فضا تشکیل دیتا ہوا نظر آتا ہے۔ چاندنی، ٹھنڈک کی لکیر، خم کی تصویر، شب مہ کا روشن ورق، ساقی، ساغر کی اسیری، مٹی کا سفال، نور کی دنیا، یہ وہ الفاظ و تراکیب ہیں۔ جن کا تکرار اور صوتیاتی آہنگ خود حسن اور جمالیات کی تصویر بن کر ابھرتا ہے اور یہی قلندر بابا کے ذوق جمال اور احساس جمال کی فعالیت کا ثبوت بھی ہے۔

ایک جگہ لکھتے ہیں:

" زلفیں ہیں ہزار مشک اور عنبر میں
ہیں سینکڑوں رخسار جو ہیں گوہر میں
اس راہ میں رکھ پیر ذرا آہستہ
آنکھیں ہیں پری زادوں کی خاکستر میں " (۱۷)

اس رباعی میں قلندر بابا نے یہ واضح کیا ہے کہ کائنات کا کوئی بھی ذرہ معرفت کے اظہار سے عاری نہیں ہے ہر چیز جس طرح نظر آتی ہے۔ اُس طرح بعض اوقات اُس کی حقیقت نہیں ہوتی۔ راستے میں جو راکھ کا ڈھیر نظر آ رہا ہے اُس پر قدم رکھتے ہوئے احتیاط ضروری ہے کیونکہ اُس کی مثال محبوبہ کی نشیلی آنکھوں کی طرح ہے جو اپنے شراروں سے آگ بھڑکا دیتی ہیں اس طرح راکھ کے اندر چنگاریاں وہی کام سرانجام دیتی ہیں۔

ایک حقیقت کے دو رُخ ہوتے ہیں ظاہری اور باطنی اور اصل رُخ وہ رُخ ہے جو حقیقت تک رسائی کا ذریعہ بنتا ہے۔مشک اور عنبر اس لیے شاعر کے یہاں اپنی خوشبوؤں کے لیے محبوب کی زلفوں سے مستفاد ہیں اور اسی طرح موتیوں کی چمک دمک تابندہ رخساروں کا سایہ لیے ہوئے ہے۔

ان تمام وضاحتوں کے پیچھے شاعر یہ کہنا چاہ رہے ہیں کہ یہ اجسام اور ابدان کی دنیا بذاتِ خود کچھ نہیں ہے یہ کسی کے پرتو کی وجہ سے زندہ اور متحرک ہے۔اور یہی ان کی جمالیاتی کائنات ہے۔

یقیناً یہ رباعی اپنے موضوع کے اعتبار سے تصوف کی طرف جاتی ہوئی محسوس ہوتی ہے لیکن اُس سے بڑا حوالہ اس میں جمالیات کا ہے۔ کیونکہ اس میں موجود کو بنیاد بنا کر متحرک تجسس ایک نئی دنیا کی تشکیل کرتا ہے۔مشابہتوں کی موجودگی میں ایک نیا تیسرا احساس بیدار کرنا جو پُرکشش بھی ہو اور مؤثر بھی جمالیات ہی کا موضوع ہے۔

(ب)　　　حسن وجمال کا حرکی نظریہ

قرآن پاک میں ہے "کُلَّ یَوۡمٍ ھُوَ فِیۡ شَاۡنٍ"　　　(۱۸)

ترجمہ:　وہ (ذات مطلق) ہر آن ایک نئی شان (یعنی حرکتِ ارتقائی) میں ہے ۔

یَزِیۡدُ فِیۡ الۡخَلۡقِ مَاۡ یَشَاۡء　　　(۱۹)

ترجمہ:　وہ جسے چاہتا ہے تخلیق میں بڑھاتا ہے۔

بقول نصیر احمد ناصر:

"حسن حقیقی کے ان نظاروں کے تغیر مدام ہی سے حیاتِ کائنات کے حسن کو تغیر مسلسل لازم آیا ہے"۔　(۲۰)

اسی طرح ایک اور جگہ لکھتے ہیں۔

"بلاشبہ حسن خداوندی اپنی مطلق حیثیت میں قائم بالذات اور مستقل الوجود ہے اس لیے وہ حرکت و تغیر سے پاک و منزہ ہے۔البتہ اپنی معروضی یا اضافی حیثیت میں تغیر مدام کے رنگ سے مزین ہے۔ جو حقیقت میں ارتقائی ہے واقعہ یہ ہے کہ فطرتِ کائنات کا حسن سدا ارتقائی حالت میں ہے تو انسان کے حسن قلب کے لیے بھی سدا متحرک رہنا بھی ضروری ٹھہرا"۔　(۲۱)

اور یہی نقطہ نظر کم و بیش قلندر بابا کا بھی ہے جو ان کے جمالی فلسفہ پر روشنی ڈالتا ہے قلندر بابا کی جمالیات کبھی اور کسی بھی مرحلے پر غیر متحرک نظر نہیں آتیں۔

اس تناظر میں قلندر بابا فرماتے ہیں:

"اک لفظ تھا اک لفظ سے افسانہ ہوا
اک شہر تھا اک شہر سے ویرانہ ہوا
گردوں نے ہزار عکس ڈالے ہیں عظیم
میں خاک ہوا خاک سے پیمانہ ہوا"　　　(۲۲)

تخلیق کائنات کے راز کھولتی اس رباعی میں قلندر بابا نے اُس عظیم الشان واقعے کی طرف اشارہ کیا ہے جب باری تعالیٰ نے ایک لفظ " کن " کہہ کر اس کائنات کی تخلیق کی۔ اس ایک لفظ سے لاتعداد عالمین کے افسانے وجود میں آ گئے۔ بے شمار کہکشانی نظام اور ستارے سیارے قائم ہو گئے اور تخلیق کا یہ عمل تب سے جاری و ساری ہے۔

؎ یہ کائنات ابھی نا تمام ہے شاید

کہ آ رہی ہے دمادم صدائے کن فیکون (علامہ اقبالؒ)

قلندر بابا نے اس رباعی میں جس طرح کائناتی وجود کے مسلسل ارتقاء پذیر ہونے اور حُسن کائنات کے تتبع میں حسنِ فطرت انسانی کی ارتقائی کیفیات کا ذکر کیا ہے اُس میں جمالیاتی پہلو نمایاں ہے۔ قلندر بابا کا جمالیاتی فلسفہ بسا اوقات خانہ زاد نہیں ہوتا بلکہ مستعار ہوتا ہے۔ جسے استفادے کی صورت کہا جا سکتا ہے۔ لیکن سچ یہ ہے کہ روایتی جمالیات میں بھی قلندر بابا نے اجتہادی زاویے تراشے اور یہی ان کی انفرادیت ہے۔

مذکورہ رباعی میں لفظ سے افسانہ بننا، شہر کا ویرانہ ہو جانا اور خاک سے پیمانہ ہونا جیسے الفاظ و تراکیب سے تخلیق و ارتقا کا ایک سلسلہ دکھائی دیتا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہر روز کائنات ایک نئے منظر نامے کے ساتھ اپنا سفر جاری و ساری رکھے ہوئے ہے اور تخلیق کی یہی جدت جمالیات کا وہ سلسلہ ہے جسے قلندر بابا نے بڑی ہنروری کے ساتھ یہاں اُجاگر کیا ہے۔

کائنات کے اس مسلسل ارتقائی عمل کو دیکھتے ہوئے اس بات کی سمجھ آتی ہے کہ نہ کائنات کی زندگی مختصر ہے اور نہ ہی نسل انسانی کی۔ البتہ شاہد کی زندگی مختصر ہو سکتی ہے مگر مشہود کی نہیں۔

؎ گل اس شاخ سے ٹوٹتے بھی رہے

اسی شاخ سے پھوٹتے بھی رہے (علامہ اقبالؒ)

قلندر بابا کی رباعیات میں جا بجا زندگی کے جمالیاتی فلسفہ کے معلوم حوالوں کو وسعت دینے والے حوالے سامنے آتے رہتے ہیں۔

ے "یہ طاق یہ ٹوٹے ہوئے دراور دیوار
ذروں میں نظر آتے ہیں سارے آثار
ذروں میں ہے گرم شاعروں کی محفل
ذروں میں ہیں بند شاعروں کے اشعار " (۲۳)

ے "ساقی ترا مخمور پیئے گا سو بار
گردش میں ہے ساغر تو رہے گا سو بار
سو بار جو ٹوٹے تو مجھے کیا غم ہے
ساغر مری مٹی سے بنے گا سو بار " (۲۴)

پہلی رباعی میں قلندر بابا نے ایک تو زندگی کے مسلسل ارتقاء پذیر ہونے کی بات کرتے ہوئے انسان کو کائنات کے مشاہدے کی دعوت دی ہے تاکہ وہ زندگی کی اصل سے واقف ہو سکے اور جان لے کہ کائنات میں کچھ بھی ناگزیر نہیں۔فنا و بقاء کا ایک سلسلہ ہے جو جاری و ساری ہے اور فنا کا یہ احساس ہی قلندر بابا کو حسن و جمال کی نئی دنیاؤں کی طرف لے جاتا ہے۔

اسی طرح دوسری رباعی میں وہ ساقی سے مسلسل عشقِ حقیقی کی شراب پلانے کا تقاضا کر رہے ہیں خواہ اس خواہش کی تکمیل میں ان کا مٹی کا جسم مٹی میں مل جائے وہ ہر قربانی کے لیے تیار ہیں۔

ے اور بازار سے لے آئیں گے گر ٹوٹ گیا
جامِ جم سے تو میرا جامِ سفال اچھا ہے (غالبؔ)

مندرجہ بالا دونوں رباعیات میں ٹوٹنے اور بننے کی جو بات کی گئی ہے وہ بذاتِ خود ایک جمالیاتی سلسلہ ہے ٹوٹ پھوٹ کے ساتھ نئی زندگی جنم لیتی ہے۔کائنات کی شکست و ریخت اگر ایک طرف دہشت کی صورت میں موجود ہے تو دوسری جانب اس میں جمالیاتی آہنگ ڈوبتا اُبھرتا محسوس ہوتا ہے۔

ے لطافت بے کثافت جلوہ پیدا کر نہیں سکتی
چمن زنگار ہے آئینہ بادِ بہاری کا (غالبؔ)

بلاشبہ لطافت زندگی کا خوبصورت ترین حوالہ ہے۔

(ج) جلال و جمال

کائنات کا ذرہ ذرہ اپنے دل میں عشقِ حقیقی رکھتا ہے اور ربِ مطلق کی یاد میں بے چین و بے قرار رہتا ہے اگر انسان سوزِ عشق میں مبتلا ہے تو حیوانات کے دل بھی مے الفت سے لبریز ہیں۔ اسی طرح نباتات و جمادات بھی اس سے مستثنٰی نہیں۔ یہ زمین یہ آسمان، سورج، چاند، ستارے، دشت وصحرا، بحر و بر، باد و باراں، رعد و برق سب اُس کے جلال و جمال کے اسیر ہیں۔

یہ جلال و جمال حسنِ مطلق کی صفات ہیں۔ اس کی تخلیقات میں بعض اُس کے جلال اور بعض جمال کی مظہر ہیں۔ البتہ جمال کی حامل اشیاء لطیف جبکہ جلال میں اظہارِ عظمت بلندی، گہرائی وہیبت پائی جاتی ہے۔

جلال و جمال کا سلسلہ انسان کے داخلی وجود کو متاثر کرتا ہے فطرت کے اس جلال و جمال کے ساتھ انسان کی جبلّی اور جمالی کیفیات کی پہچان بھی ہر جگہ ہوتی ہے۔

قلندر بابا کی بعض رباعیات میں ہمیں جلال و جمال کا خوبصورت امتزاج ملتا ہے۔ مثلاً

ے " ساقی کا لب لعل گہر بار ہے آج
رخسار رگ جاں سے دوچار ہے آج
اِک آگ ہی آگ ہے ہر اک جرعہ میں
ساغر میں شراب بھی شرر بار ہے آج " (۲۵)

ے " اک آتش سوزاں ہے جہاں دیکھو گے
جلتے ہوئے دن رات وہاں دیکھو گے
آتش نے جلے داغ جو چھوڑے ہیں کہیں
اُن داغوں میں تم کون ومکاں دیکھو گے " (۲۶)

یہ رباعیات قلندر بابا کی شخصیت میں موجود جلال و جمال کے آہنگ کی بھرپور نمائندگی کرتی ہیں۔

ساقی کے لبِ لعل کا گہر بار ہونا، رخسار کا رگِ جاں سے دوچار ہونا، ساغر میں شراب کا شرر بار ہونا، ہر جرعہ کا آگ ہونا جیسے حسین و نادر الفاظ و تراکیب کے استعمال سے نہ صرف اُن کے فنی کمال بلکہ فکری بلندی کا بھی پتہ چلتا ہے۔

اسی طرح آتش سوزاں، جلتے ہوئے دن رات، آتش کا جلے داغ چھوڑنا اور داغوں میں کون و مکان کو دیکھنا جیسی فصیح تشبیہات واستعارات نے اُن کے خیال کی معنی آفرینی میں جہاں اضافہ کر دیا ہے وہاں اُنہوں نے بہت خوبصورتی اور نزاکت کے ساتھ اپنے گہرے اور نہاں تجربات و مشاہدات کو پڑھنے والوں پر ایسے آشکار کیا ہے کہ اُن پر قلندر بابا کے صوفیانہ خیال و جمال کے کئی در وا ہو جاتے ہیں۔

پروفیسر شکیل الرحمٰن اپنی کتاب " تصوف کی جمالیات " میں یوں رقم طراز ہیں۔

> " ہر صوفی میں قلندری کا جوہر موجود ہوتا ہے قلندر آزادی کا پیکر ہے وہ اپنے وجود کو سمیٹنے
> جلال و جمال سے رشتہ قائم کر کے دیوانہ بن جاتا ہے۔
> جب صوفی عالمِ جذب و کیف کی انتہائی منزل تک پہنچتا ہے تو اُس کا وجود عشق الٰہی
> کے جلال و جمال کی کیفیتوں کو محسوس کرنے کی کوشش کرتا ہے ۔سارے متصوفانہ
> افکار ونظریات کا تعلق مذہب کی ان جمالیاتی قدروں سے ہے جو تصوف کے شناخت
> نامے کو مرتب کرنے میں ہمہ وقت متحرک رہتی ہے۔ (۲۷)

(د) اساطیر کی جمالیات

اساطیر عربی زبان کا لفظ ہے جس کا واحد "اسطورہ" اور لفظی معنی داستان یا قصے کہانیاں ہیں۔ اساطیری کردار و واقعات کا انسان کی نفسیات سے گہرا تعلق ہے۔ اس سے انسان کی جمالیاتی کیفیات کو آسانی سے سمجھا جاسکتا ہے۔

پروفیسر شکیل الرحمٰن ادب اور آرٹ کی تخلیق میں اساطیر کی اہمیت پر زور دیتے ہیں ان کے خیال میں یہ ممکن ہی نہیں کہ کوئی اعلیٰ درجے کے ادب یا فن لطیف کی تخلیق میں شعوری یا غیر شعوری طور پر اساطیری اثرات موجود نہ ہوں یہ ایک خاموش متحرک روایت ہے کہ جس کا سفر ہمیشہ جاری رہے گا۔

اُنہوں نے ایسے لوگوں کو بے جڑ کا پودا قرار دیا ہے جو متھ اور لوک کہانیوں کے بغیر رہتے ہیں ان کے خیال میں لوک کہانیاں اعلیٰ درجے کی جدید تحقیق کا سرچشمہ ہیں۔ اس لیے کوئی بھی بڑا تخلیقی فنکار اساطیر سے گریز نہیں کرسکتا ۔مختلف علاقوں کی ان لوک کہانیوں میں تخلیق کائنات، دنیا کی تخلیق، زندگی کی تخلیق، انسان اور اشیاء وعناصر کی تخلیق بھی شامل ہیں۔

اُن کے بقول:

"اساطیر میں جو دنیا آباد ہے اس میں پانچ دُنیاؤں کی پہچان مکمل طور پر ہوتی ہے۔
ایک روحانیت کی دنیا، دوسری انسان کی تیسری جانوروں اور پرندوں کی، چوتھی نباتات
کی اور پانچویں معدنیات کی۔ ان سب کے پیکر ان سب کی علامات موجود ہیں"۔ (۲۸)

اس تناظر میں جب ہم قلندر بابا کی رباعیات پر نظر ڈالتے ہیں تو اُن کی تخلیق میں اساطیری جمالیات کے اجزاء ہمیں جابجا متحرک دکھائی دیتے ہیں وہ اظہارِ جمال کے لیے ماضی کی طرف لوٹ جایا کرتے ہیں۔

ے

" نہروں کو مے ناب کی ویراں چھوڑا
پھولوں میں پرندوں کو غزل خواں چھوڑا
افتادِ طبیعت تھی عجب آدم کی
کچھ بس نہ چلا تو باغِ رضواں چھوڑا " (۲۹)

قلندر بابا آدم اور ابنِ آدم کی فطرت بیان کرتے ہیں۔انسان کسی حال میں خوش نہیں رہتا۔اُس کی طبیعت میں ٹھہراؤ نہیں۔جس طرح کائنات مسلسل حرکت میں ہے اسی طرح انسان بھی زیادہ دیر کسی حالت میں نہیں رہ سکتا۔ جب وہ جنت میں تھا تو اُسے ہر طرح کی نعمتیں حاصل تھیں۔سُرخ شراب کی نہریں، رنگ برنگ پھولوں میں چہچہاتے پرندے، پر ان سب کے باجود انسان کا جی گھبرانے لگا اور وہ شیطان کے بہکاوے میں آ کے جنت کے عیش و آرام کو ٹھکرا کے زمین کی سخت اور پُر آزمائش زندگی کو اختیار کر بیٹھا۔

قلندر بابا نے بہت خوبصورتی سے مئے ناب کی نہروں کو ویران چھوڑنا، پھولوں میں پرندوں کو غزل خواں چھوڑنا اور اپنی افتادِ طبع سے باغِ رضواں کو چھوڑنا جیسے الفاظ و تراکیب کے استعمال سے اگر ایک طرف اپنے ذوقِ جمال کا ثبوت دیا ہے تو دوسری طرف آدم کے جنت میں رہنے اور نکالے جانے والے واقعے کا اُنہوں نے جس طرح ذکر کیا ہے اُس میں اساطیری رنگ جھلکتا ہے اور ہم کہہ سکتے ہیں کہ جمالیات کے اندر ازل اور ابد کے سلسلے موجود ہیں۔مزید لکھتے ہیں۔

ؔ "مٹی سے بنی ہے سب کی گردن
ٹوٹی ہے بنی ہے پھر بھی کوئی گردن
عذرا کی ہو، لیلیٰ کی کہ شیریں کی عظیم
گردن ہے صراحی کی کسی کی گردن" (۳۰)

ؔ "بیداری میں کٹ جاتی ہیں اکثر راتیں
میں دل سے کیا کرتا ہوں اکثر باتیں
رُخسارۂ لیلیٰ سے لبِ عذرا تک
اندھیر ہے مٹی تھیں یہ گُل سوغاتیں" (۳۱)

ان رباعیات میں نہ صرف انسان کی تخلیق مٹی سے ہونے کا حوالہ ہے اور اس حقیقت کی طرف متوجہ کیا گیا ہے کہ دیگر عناصر کی طرح مٹی میں بھی فنا کا عمل جاری وساری ہے۔ یہ عذرا، لیلیٰ اور شیریں جیسے خوبصورت چہرے

جنہوں نے اپنے حسن و جمال سے ایک دنیا میں ہنگامہ برپا کیے رکھا آج نہ تو اُن کی حسین صراحی دار گردنیں باقی رہی ہیں اور نہ اُنہیں سراہنے والے۔سب مٹی میں مٹی ہو گئے۔

دوسری طرف دیکھا جائے قلندر بابا کی جمالیاتی نگاہ ہر چیز میں حُسن اور جمالیاتی استعارے تلاش کر لیتی ہے۔انسان کی مٹی جیسے بنیادی عنصر سے تخلیق اور عذرا، لیلیٰ اور شیریں جیسے حسن و عشق کے تاریخی اور داستانوی کرداروں کا حوالہ نہ صرف اُن کے ہاں جمالیاتی ذوق اور اساطیری رنگ کا پتہ دیتے ہیں بلکہ ایک لحاظ سے اُنہوں نے ماضی کے دریچوں میں جھانکتے ہوئے حُسن سے ہم آہنگ ہونے کی کوشش کی ہے۔اُن کے خیال میں جمالیات کا سلسلہ کسی ایک حالت کا حامل نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کے ایک سرے پر ماضی اور دوسرے پر مستقبل ہوتا ہے۔

اسی طرح زیر نظر رباعی میں بھی ہمیں قرآنی اساطیر اور جمالیاتی رنگ ملتا ہے۔

ے "مے خانہ میں آ ملک سلیماں یہ ہے
شیشہ ہے پیالہ ہے شبستان یہ ہے
معلوم نہیں سبا کی ملکہ کیا تھی
ساقی پہ نگاہ رکھ چراغاں یہ ہے" (۳۲)

یہاں قلندر بابا بتاتے ہیں کہ ایک شرابی کے نزدیک حضرت سلیمانؑ کی عظیم الشان سلطنت کے مقابلے میں مے خانہ کی اہمیت زیادہ ہے۔کہ جہاں اُس کی ضرورت کا سامان شیشہ، پیالہ اور شب گذاری کی سہولت موجود ہے اسی طرح اگر ملکہ سبا بہت بھی حسین اور طرح دار ہو تو ایک شراب نوش کے لیے اُس کے ساقی سے بڑھ کر حسین روئے زمین پر اور کوئی نہیں۔جو اُسے شرابِ عشق پلا کر مدہوش کر دے۔

قلندر بابا نے اس رباعی میں ایک بڑی حقیقت واضح کی ہے کہ دنیا میں ہر انسان کی اپنی ترجیحات ہوتی ہیں اور اُن کے نزدیک اہمیت بھی اُنھی کی ہوتی ہے۔قلندر بابا نے یہاں اپنے شاعرانہ تخیل سے کام لیتے ہوئے جمالیاتی رنگ میں زندگی کا حقیقی فلسفہ بیان کیا ہے۔

(ہ) توحیدی جمالیات

جمالیات کا سارا سلسلہ وحدت الٰہی کے گرد گھومتا رہتا ہے اور اس سے تخلیقی اکائی یا جمالیاتی اکائی بنا تا رہتا ہے اس مکتب فکر کے صوفیا کے نزدیک کسی بھی شے کا اصل جوہر خُدا ہے۔ جمالیات ایک ایسا Tool ہے جس کی مدد سے خُدا اور اُس کی صفات کو بھی دریافت کیا جا سکتا ہے۔

جمالیات کے حوالے سے ایک بڑا فرق جو ہمیں مشرق و مغرب کے افکار میں دکھائی دیتا ہے وہ تخیل کا ہے۔ عام طور پر مغرب میں کائنات کے وجود کو کسی روحانی مشاہدے سے وابستہ نہیں سمجھا جاتا۔ جبکہ اُسے کائنات کے ہر گوشے میں حُسنِ ازل کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔ خواہ وہ فنونِ لطیفہ ہوں، مناظرِ کائنات ہوں یا انسانی حسن۔ بقول اقبالؔ:

ے
حسن ازل کی پیدا ہر چیز میں جھلک ہے
انساں میں وہ سخن ہے، غنچے میں وہ چٹک ہے

قلندر بابا جو کہ ایک صوفی شاعر ہیں اچھی طرح جانتے ہیں کہ کائنات کے ذرے ذرے میں چھپے اصل جوہر کو بغیر جمالیات کی مدد کے دریافت کرنا ممکن نہیں۔

ے
" ہر ذرہ ہے اک خاص نمو کا پابند
سبزہ ہو، صنوبر ہو کہ ہو سرو بلند
انسان کی مٹی کے ہر اک ذرہ سے
جب ملتا ہے موقع تو نکلتے ہیں پرند " (۳۳)

ے
" مٹی سے گلاب و یاسمیں بنتے ہیں
انسان بھی اس سے بالیقیں بنتے ہیں
مٹی تو ہے یہ مگر اسی مٹی سے
کتنے رُخ و زلف نازنیں بنتے ہیں " (۳۴)

ے " ذرات جبیں زرفشاں بنتے ہیں
ذرات ہی روئے مہ وشاں بنتے ہیں
ذرات ہی باعث ہیں کفِ سیمیں کا
ذرات ہی ہائے گلفشاں بنتے ہیں " (۳۵)

ے " کچھ گھاس کے پتوں میں اُگی ہے مٹی
کچھ باغ کے پودوں میں ڈھلی ہے مٹی
کچھ رنگ برنگ پھول ہوئی ہے مٹی
کچھ تتلیاں بن بن کے اُڑی ہے مٹی " (۳۶)

ے " یہ مٹی یہ کوزہ ہے یہ کوزہ گر ہے
یہ مٹی ہزار شکل کا محور ہے
یہ مٹی ہی انگور ہے اور مے خانہ
یہ مٹی ہی ساقی کا رُخِ انور ہے " (۳۷)

ارشادِ باری تعالیٰ ہے " پاک اور بلند مرتبہ ہے وہ ذات جس نے مقداروں کے ساتھ تخلیق کیا" (۳۸)

قلندر بابا ان رباعیات میں اسی حوالے سے بات کر رہے ہیں کہ ہر تخلیق میں معین مقداریں کام کر رہی ہیں جو ہر نوع کو دوسری نوع سے اور ہر فرد کو دوسرے فرد سے ممتاز کر دیتی ہیں۔ کائنات کی تخلیق میں مٹی کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ مٹی کے ذرات ایک ہی ہیں لیکن جب ان ذرات کی مقداروں میں ردوبدل ہوتا ہے تو طرح طرح کی تخلیقات وجود میں آجاتی ہیں۔ کہیں سبزہ و گھاس کی صورت، تو کہیں سرو وصنوبر اور گلاب و یاسمین کی صورت میں، کہیں یہ چہچہاتے پرندوں اور تتلیوں کا روپ اختیار کر لیتے ہیں تو کہیں چاند جیسے روشن چہروں اور چاندی جیسے جسموں والے جیتے جاگتے حسین وجمیل انسانوں کا۔ کہیں کوزہ، کوزہ گر، انگور اور ہزار

ہا اقسام کے پھل تو کہیں شراب خانہ وجود میں آ جاتا ہے۔

شاعر کے نزدیک ہر چیز درحقیقت اُسی حسنِ مطلق کا پتہ دیتی ہے جس کی یہ تخلیقات ہیں ان سب میں اُس کی جھلک ہے یہ اسکی نشانیاں ہیں۔

؎ نظر میرے دل کی پڑی دردؔ کس پر
جدھر دیکھتا ہوں وہی روبرو ہے (خواجہ میر دردؔ)

ان مظاہر کے ذریعے ہی اُس نے اپنی قدرت کا اظہار کیا ہے۔ وہ خود حقیقت ہے پر قسم مجاز کی کھائی ہے۔ پیغمبر بھی مجاز بھیجے اور قرآن پاک بھی مجازی انداز میں لکھا ہوا موجود ہے تا کہ لوگ اُس پر یقین کر سکیں۔

ہر تخلیق کار کا اپنا ایک جمالیاتی نظام ہوتا ہے جو اپنی جمالیاتی روایات اور اپنے عہد کے جمالیاتی نظام سے گہرا تخلیقی رشتہ رکھتا ہے۔ اس مخصوص تناظر میں قلندر بابا بظاہر بہت عام سی نظر آنے والی چیزوں میں بھی حسن و جمال تلاش کر لیتے ہیں۔ اس سے اُن کے گہرے جمالیاتی شعور کا پتہ چلتا ہے۔ دراصل اُن کا بنیادی مقصد جمالیاتی سطح پر عرفانِ ذات، مسرتِ سرمدی کا حصول اور دوسروں کو اس سے آشنا کرنا ہے۔

اب یہ قاری پر منحصر ہے کہ اُس کی اپنی جمالیاتی بصیرت کس حد تک اُن کی جمالیاتی تخلیق سے رشتہ قائم کر کے اُن کے نقطہ نظر سے آگاہی حاصل کر پائے۔

(و)　　لفظی اور معنوی جمالیات

شاعری میں جمال صرف خیال تک محدود نہیں بلکہ خوبصورت و حسین الفاظ و تراکیب کا استعمال اُسے زیادہ قابلِ توجہ بنا دیتا ہے۔ اس لحاظ سے قلندر بابا کی رباعیات کا اگر جائزہ لیا جائے تو جمالیاتی اظہار کے لیے جمالیاتی الفاظ کو قرینے و سلیقے سے استعمال کرنا وہ خوب جانتے ہیں۔ مثلاً

ے　" برسات کا موسم آ گیا ہے لبِ جُو
اے پیرِ مغاں کھول دے منہ جام و سبو
باغوں میں بہار کی فراوانی ہے
کوئل بھی پکارتی ہے کُو کُو، کُو کُو "　(۳۹)

ے　" مے خانے پہ ہر سمت گھٹا چھائی ہے
ساقی تیرے دامن میں بہار آئی ہے
رُخ بھی تیرا گل رنگ ہے پیراہن بھی
خود بھی مے گل رنگ تماشائی ہے "　(۴۰)

ے　" خوشبوئے رُخِ دوست ہے پیراہن میں
خوشبوئے بدن ہے جیب اور دامن میں
ہے چاروں طرف سرو سمن کی محفل
ہے حلقہ گیسوئے سیہ گردن میں "　(۴۱)

اگرچہ صوفیانہ رنگ میں رنگی ان رباعیات میں عاشقِ صادق، محبوب حقیقی کی توجہ پانے کے لیے سراپا شوق و جستجو ہے۔ مگر قلندر بابا کی حسِ جمال نے اپنے مقصد کے حصول کے لیے حسین و دلکش تشبیہات واستعارات اور الفاظ

وتراکیب سے خوب کام لیا ہے۔جیسا کہ برسات کے موسم کالبِ جُو آنا، باغوں میں بہار کی فراوانی،کوئل کی کُوکُو، مے خانے پہ ہرسمت سے گھٹا کا چھانا،ساقی کے دامن میں بہار کا آنا، رُخ و پیراہن کا گل رنگ ہونا، مے گل رنگ کا تماشائی ہونا،خوشبوئے رُخ دوست، سروسمن کی محفل، حلقہ گیسوئے سیہ گردن وغیرہ کا برمحل استعمال ہر رباعی میں ایک خاص جمالیاتی فضا پیدا کر رہا ہے۔

بقول حالؔی:

"شاعری کا دارومدار جس قدر الفاظ پر ہے اس قدر معانی پر نہیں۔معانی کیسے ہی بلند اور لطیف ہوں اگر عمدہ الفاظ میں بیان نہ کیے جائیں گے تو ہرگز دلوں میں گھر نہیں کرسکتے" (۴۲)

بلاشبہ شاعری الفاظ سے کھیلنے کا ہنر بھی ہے اگر شاعر کی گرفت معنی پر نہ ہو تو اُس کے کلام میں معنی آفرینی کبھی پیدا نہیں ہوسکتی اور اس لحاظ سے دیکھا جائے تو قلندر بابا اپنی رباعیات میں الفاظ کا جتنا بھی حسین جال بُن لیں اپنے اصل مقصد کو کبھی پسِ پشت نہیں ڈالتے۔

بقول ڈاکٹر سید عبداللہ:

"جمالیات صرف یہ نہیں کہ فن پارے میں خوبصورت الفاظ استعمال کیے جائیں جو خوشی کا باعث بنیں بلکہ اُس خوشی کے ساتھ مقصدیت بھی نمایاں ہو"۔

بقول شیلے:

"شاعری کی غرض وغایت مسرت ہے لیکن ایسی مسرت جس کے ہم راہ دانش بھی ہو"(۴۳)

(ز) جمالیاتی اظہار کے مختلف پیکر / علامتیں / وسیلے

ہر شاعر اور ادیب اپنی حسنِ جمال کی تسکین یا اپنے مشاہدات و تجربات کے بیان کے لیے مختلف پیکروں یا علامتوں کا سہارا لیتے ہیں گویا یہ اُن کے جمالیاتی اظہار کے وسیلے ہوتے ہیں۔ اس لحاظ سے دیکھیں تو قلندر بابا کے احساسِ جمال نے حسن کے جن پیکروں کو اپنے جمالیاتی اظہار کا وسیلہ بنایا ہے اُن میں آفتاب، مہتاب (مہ و مہر) کہکشاں، فردوس، چراغ، شمع، آئینہ، افلاک، شیشہ، صنم خانہ، نور، جنوں، فسوں، نہریں، آتشِ سوزاں، جگنو، گلِ تر، بہار وغیرہ کا ذکر ہمیں اُن کی رباعیات میں جا بجا ملتا ہے۔ مثلاً

- مہتاب کے بعد آفتاب اے ساقی (۴۴)
- روشن شب و مہتاب کا چہرہ باہم (۴۵)
- باغوں میں بہار کی فراوانی ہے (۴۶)
- ساقی تیرے دامن میں بہار آئی ہے (۴۷)
- شیشہ ہے پیالہ ہے شبستاں یہ ہے (۴۸)
- مے خانے کے اندر ہیں مہ و مہر و فلک (۴۹)
- وہ شمع کی روشنی میں پینا مے ناب (۵۰)
- اک آن میں ہو گی کہکشاں خاکستر (۵۱)
- رُخ بھی تیرا گل رنگ ہے پیراہن بھی (۵۲)
- اِک آتش سوزاں ہے جہاں دیکھو گے (۵۳)
- اک نور کی دنیا ہے کہیں پر آباد (۵۴)
- اس نور کی دنیا میں بھلا ہوش کسے (۵۵)
- جگنو بھی چراغِ آشیاں ہوتا ہے (۵۶)
- تربت کو گلِ تر کی طرح کھلنا ہے (۵۷)

ـ بت ریت کے ہیں ریت کا ہے بُت خانہ (۵۸)

ـ مٹی سے گلاب و یاسمین بنتے ہیں (۵۹)

ـ یہ یا تو ہے خواب یا ایوانِ بہشت (۶۰)

ـ اس جام میں آسماں زمیں دونوں ہیں (۶۱)

ـ نہروں کو مئے ناب کی ویراں چھوڑا (۶۲)

حسن و جمال کے یہ پیکر زمانہ قدیم سے انسان کے جانے پہچانے حسن کے استعارے ہیں۔ بلکہ ایک طرح سے اجتماعی لاشعور کا حصہ بن چکے ہیں۔ان پیکروں کا تعلق افسانوی مذہبی رجحان سے ہے جو Myth اور مذہب کا عطا کردہ ہے۔ یہ اپنے تحرک کے باوجود ذہن میں ٹھہرے اور جمے ہوئے مگر حسیاتی بن گئے ہیں اور ان کی حسی کیفیت مختلف انسانی جذبات کی بیداری کا سبب بنتی ہے۔

بقول پروفیسر شکیل الرحمٰن کے:

"ان پیکروں سے جانے کتنے تاثرات،تصورات اور تجربات وابستہ ہیں۔انسان کے سفر کے جانے کتنے راز پنہاں یا" مسٹری" (Mystry) جانے کتنے معمے اور جانے کتنے موثر، داد انگیز اور مسرت آمیز تاثرات جذب ہیں۔معرفت کے پاکیزہ اور پیچیدہ حسی اور جذباتی، فکری اور وجدانی تصورات اور تجربات کا بھی ان سے گہرا بامعنی رشتہ ہے پوشیدہ معاملات کے تعبیر کنندگان کے بھی یہ محبوب پیکر رہے ہیں۔جذبہ اور احساس کی آمیزش اور ترکیب اور تخیل کے پر اسرار عمل نے ان میں جانے کتنی جہتیں پیدا کی ہیں۔ یہ پیکر ذہنی اور جذباتی اُس وقت بنے ہیں جب ادراک نے انہیں مصور کر کے گیان بنا دیا ہے"۔(۶۳)

اس روشنی میں جب ہم قلندر بابا کی رباعیات کو دیکھتے ہیں۔تو معلوم ہوتا ہے کہ اُنہوں نے اپنے جمالیاتی صوفیانہ ذہن سے مظاہر فطرت اور حُسن کے پیکروں کو استعاراتی اور علامتی صورتیں عطا کر کے اُنہیں حد درجہ معنی خیز اور گیان بنا دیا ہے۔

ان رباعیات کو پڑھتے ہوئے ان جمالیاتی پیکروں سے قاری کا ایک ذہنی اور جذباتی تعلق قائم ہو جاتا ہے۔ کیونکہ قلندر بابا کے جمالیاتی شعور نے آگہی اور بیداری کو بڑی اہمیت دی ہے۔

قلندر بابا کی جمالیات کو کسی ایک عنوان میں قید کر لینا موضوعاتی جبر ہے تاہم جمالیات کے مختلف پہلوؤں کو اُجاگر کرنے کے لیے ایسا کرنا موضوع تحقیق کی ضرورت کے ذیل میں آرہا تھا چناں چہ الگ الگ عنوانات کے تحت ان حوالوں کو تجزیے کے عمل سے گزارا گیا۔ اس طرح بنیادی اور کلیدی حوالوں کو نمایاں کیا گیا تاکہ کوئی مرکزی حوالہ نظر انداز نہ ہونے پائے۔

حوالہ جات (باب چہارم)

۱) نصیر احمد ناصر ڈاکٹر، تاریخ جمالیات، مجلس ترقی ادب، لاہور ۱۹۶۲ء، ص۔۴۹۸

۳) زاہد ہمایوں، مراثی انیسؔ کے جمالیاتی عناصر (دیباچہ) پورب اکادمی، اسلام آباد، ۲۰۱۶ء، ص۔۹

۴) القرآن، سورۃ السجدہ ،آیت۔۷

۵) القرآن، سورۃ والتین ،آیت۔۳

۶) القرآن، سورۃ التغابن، آیت۔۳

۷) شکیل الرحمٰن پروفیسر، ادب اور جمالیات، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس دہلی، ۲۰۱۱ء، ص۔۶

۸) انور جمال پروفیسر، ادبی اصطلاحات، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، ۲۰۱۹ء، ص۔۹۳

۹) مسلم شریف، کتاب الایمان

۱۰) سید محمد عظیم برخیاؔ، رباعیات، مکتبہ عظیمیہ اُردو بازار، لاہور۔۱۹۹۵ء، ص۔۶۳

۱۱) ایضاً، ص۔۶۰

۱۲) ایضاً، ص۔۱۲۸

۱۳) ایضاً، ص۔۱۳

۱۴) القرآن، سورۃ النور، آیت۔۳۵

۱۵) سید محمد عظیم برخیاؔ، رباعیات، ص۔۴۵

۱۶) ایضاً، ص۔۱۳۰

۱۷) ایضاً، ص۔۷۳

۱۸) القرآن، سورۃ الرحمٰن، آیت۔۲۹

۱۹) القرآن، سورۃ الفاطر، آیت۔۱

۲۰) نصیر احمد ناصر ڈاکٹر، جمالیات قرآن حکیم کی روشنی میں، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۵۸ء، ص۔۱۱۵

۲۱) نصیر احمد ناصر ڈاکٹر، اقبال اور جمالیات، اقبال اکادمی، لاہور، ۱۹۸۱ء، ص۔۱۴۷

۲۲) سید محمد عظیم برخیاؔ، رباعیات، ص۔۴
۲۳) ایضاً، ص۔۳۵
۲۴) ایضاً، ص۔۴۱
۲۵) ایضاً، ص۔۲۵
۲۶) ایضاً، ص۔۱۷۴
۲۷) شکیل الرحمٰن پروفیسر، تصوف کی جمالیات، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، ۲۰۰۷، ص۔۱۲۵
۲۸) شکیل الرحمٰن پروفیسر، ادب اور جمالیات ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، ۲۰۱۱، ص۔۲۶
۲۹) سید محمد عظیم برخیاؔ، رباعیات، مکتبہ عظیمیہ، اُردو بازار، لاہور، ۱۹۹۵، ص۔۷
۳۰) ایضاً، ص۔۷۴
۳۱) ایضاً، ص۔۸۰
۳۲) ایضاً، ص۔۱۴۳
۳۳) ایضاً، ص۔۳۰
۳۴) ایضاً، ص۔۸۸
۳۵) ایضاً، ص۔۹۴
۳۶) ایضاً، ص۔۱۳۸
۳۷) ایضاً، ص۔۱۶۲
۳۸) القرآن، سورۃ الاعلیٰ، آیت۔۱ تا ۲
۳۹) سید محمد عظیم برخیاؔ، رباعیات، ص۔۱۰۱
۴۰) ایضاً، ص۔۱۷۵
۴۱) ایضاً، ص۔۷۸
۴۲) الطاف حسین حالیؔ مولانا، مقدمہ شعر وشاعری، کشمیر کتاب گھر، لاہور، ص۔۵۲
۴۳) عبداللہ سید ڈاکٹر، ارشاداتِ تنقید، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۰، ص۔۹۳
۴۴) سید محمد عظیم برخیاؔ، رباعیات، ص۔۱۳۱

۴۵) ایضاً،ص۔۶۸

۴۶) ایضاً،ص۔۱۰۱

۴۷) ایضاً،ص۔۱۷۵

۴۸) ایضاً،ص۔۱۴۳

۴۹) ایضاً،ص۔۱۰۹

۵۰) ایضاً،ص۔۱۰۸

۵۱) ایضاً،ص۔۱۴۲

۵۲) ایضاً،ص۔۱۷۵

۵۳) ایضاً،ص۔۱۷۴

۵۴) ایضاً،ص۔۱۵۹

۵۵) ایضاً،ص۔۱۳۰

۵۶) ایضاً،ص۔۱۷۹

۵۷) ایضاً،ص۔۱۷۸

۵۸) ایضاً،ص۔۱۰۲

۵۹) ایضاً،ص۔۸۸

۶۰) ایضاً،ص۔۲۱

۶۱) ایضاً،ص۔۱۵

۶۲) ایضاً،ص۔۷

۶۳) شکیل الرحمٰن پروفیسر، روشنی کی جمالیات، پنجابی پستک بھنڈار، نئی دہلی، ۱۹۷۷،ص۔۴۳۔۴۴

باب پنجم

سید محمد عظیم برخیا کی رباعیات میں متفرق عناصر

ا) حقیقتِ آدم

ب) حقیقتِ عالم

ج) روزِ محشر کا بیان

د) ماہِ رمضان کا حکیمانہ تذکرہ

ہ) شبِ برات کی فضیلت

و) حق گوئی

۱) حقیقتِ آدم

قلندر بابا اولیاء نے اپنی بہت سی رباعیات میں انسان کی حقیقت، دنیا میں اس کی آمد اور مقاصد پر روشنی ڈالی ہے۔اس حوالے سے چند رباعیات ملاحظہ ہوں۔

ے " آدم کو بنایا ہے لکیروں میں بند
آدم ہے اسی قید کے اندر خورسند
واضح رہے جس دَم یہ لکیریں ٹوٹیں
روکے گی نہ اِک دَم اُسے مٹی کی کمند " (۱)

ے " محرم نہیں راز کا وگرنہ کہتا
اچھا تھا کہ اک ذرہ ہی آدم رہتا
ذرہ سے چلا، چل کے اَجل تک پہنچا
مٹی کی جفائیں یہ کہاں تک سہتا " (۲)

ے " پتھر کا زمانہ بھی ہے پتھر میں اسیر
پتھر میں ہے اُس دور کی زندہ تصویر
پتھر کے زمانہ میں جو انساں تھا عظیم
وہ بھی تھا ہماری ہی طرح کا دل گیر " (۳)

ے " معلوم نہیں کہاں سے آنا ہے مرا
معلوم نہیں کہاں پہ جانا ہے مرا
یہ علم کہ کچھ علم نہیں ہے مجھ کو
کیا علم کہ کھونا ہے کہ پانا ہے مرا " (۴)

ؔ " آدم کا کوئی نقش نہیں ہے بے کار
اِس خاک کی تخلیق میں جلوے ہیں ہزار
دستہ جو ہے کوزہ کو اٹھانے کے لیے
یہ ساعدِ سیمیں سے بنا تا ہے کمہار " (۵)

مذکورہ بالا رباعیات میں قلندر بابا انسانی حقیقت کو آشکار کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ انسان دنیا میں اپنی آمد اور مقصد سے ناواقف ہے۔ وہ اس فانی اور اندھیری دُنیا کی قید کو اصل زندگی سمجھے بیٹھا ہے۔ اُن کے نزدیک پتھر کا زمانہ ہو یا تہذیب کا دورِ حاضر، وسائل کی دستیابی ہو یا عدم دستیابی۔ انسان ہمیشہ مصیبتوں اور پریشانیوں میں مبتلا رہتا ہے۔ کیونکہ وہ اپنی زندگی کی اصل سے ناواقف ہے۔

ؔ دردؔ کچھ معلوم ہے یہ لوگ سب
کس طرف سے آئے تھے کدھر چلے (دردؔ)

اگر چہ کہ خاک کی اس تخلیق میں اللہ تعالیٰ کی صناعی کے ہزاروں جلوے پوشیدہ ہیں۔ مٹی کا ہر ذرہ، آدم ہی کی تصویر کا عکس ہے اور ایک دن مٹی کی تخلیق کو مٹی ہی میں ملنا ہوتا ہے۔

(ب) حقیقتِ عالم

قلندر بابا اولیاء نے اگر ایک طرف بے ثباتی دُنیا و انسان کی بات کی ہے تو دوسری طرف اس کائنات کی حقیقت پر ایک صوفی کی مشاہدانہ نگاہ سے روشنی ڈالی ہے۔ اس حوالے سے درج ذیل رباعیات ملاحظہ ہوں۔

ے " یہ بود و نبود کیا ہے کس کو معلوم
افلاک کی جو ادا ہے کس کو معلوم
سب راز ہیں کہکشاں کی گردش کے عظیم
خورشید میں کیا چُھپا ہے کس کو معلوم " (٦)

ے " اِک وہم ہے جس کو کہکشاں کہتے ہیں
اِک وہم ہے جس کو آسماں کہتے ہیں
اِک وہم ہے جس کا نام آدم ہے عظیم
اِک وہم ہے جس کو دو جہاں کہتے ہیں " (۷)

قلندر بابا اولیاء کے مطابق کہکشاں کے گردش کا راز سالک پر اُس وقت کُھلتا ہے جب وہ شعور و عرفان کی رہنمائی میں کائنات کے تخلیقی فارمولوں کو بروئے کار لاتے ہوئے اپنی پوشیدہ صلاحیتوں کو بیدار کر لیتا ہے اور اپنے نسمہ (Aura) سے واقف ہو کے اُسے اپنے اختیار میں کرتے ہوئے زمین و آسمان کے کناروں سے باہر نکل جاتا ہے۔ جیسا کہ سورۃ الرحمٰن میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ:

" اے گروہ جن وانس اگر تم کو یہ قدرت حاصل ہو کہ آسمان اور زمین کی حدود سے کہیں باہر نکل جاؤ تو نکلو۔ تم ایسا نہیں کر سکتے ہیں بجز سلطان کے "۔ (۸)

اسی طرح جب ایک سالک کائنات میں موجود اربوں، کھربوں دُنیاؤں کا روحانی مشاہدہ کر لیتا ہے تو اُسے علم ہو جاتا ہے کہ کائنات کی تمثیل لوحِ محفوظ سے نمود پا رہی ہے کائنات میں موجود ہر زمین ایک سکرین ہے اور

اس علم کا حصول تبھی ممکن ہوتا ہے جب لاشعور بیدار ہو جائے۔

قلندر بابا کائنات کے اسرار ورموز کو مزید کچھ نئے زاویوں سے اس طرح دیکھتے ہیں۔

ــ " خانے ہیں دماغ کے وہ خالی ہیں سب
چیزیں جو نظر آتی ہیں جعلی ہیں سب
ہر لمحہ بدلتا ہے جہاں کا منظر
نظارے بھی آنکھوں کے خیالی ہیں سب " (۹)

ــ " ہر چیز خیالات کی ہے پیمائش
ہیں نام کے دُنیا میں غم و آسائش
تبدیل ہوئی جو خاک گورستان میں
سب کوُچہ و بازار کی تھی زیبائش " (۱۰)

قلندر بابا اپنے روحانی تجربات و مشاہدات کی بدولت اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ یہ عالم وہم وگمان کا ایک پُر فریب سلسلہ ہے۔انسانی نگاہ کے سامنے جتنے مناظر ہیں وہ سب شعور کی بنائی ہوئی مختلف تصویریں ہیں۔دیکھنے کی یہ طرز مفروضہ ہے۔ ہر چیز کے متعلق مختلف لوگوں کی آرا مختلف ہوتی ہے۔حالانکہ حقیقت تو صرف ایک ہی ہوتی ہے۔ اور حقیقت کبھی متغیر نہیں ہوتی ۔ لہٰذا یہ دُنیا جس کے مظاہر ہر وقت تغیر پذیر رہتے ہیں۔حقیقت نہیں جہاں بھی انسان اس سچائی سے تھوڑا سا بھی غافل ہوا۔وہ زندگی کے اصل مقصد سے غافل ہو جاتا ہے۔

غالبؔ کا یہ شعر بلاشبہ اس بات کی تائید کرتا ہے۔

ــ ہستی کے مت فریب میں آجائیو اسدؔ
عالم تمام حلقۂ دامِ خیال ہے (غالبؔ)

مادی زندگی کو سب کچھ سمجھ لینا عقل کی لغزش ہے اصل زندگی بڑی فراواں اور فروزاں ہے۔ چیزوں کا جعلی اور غیر فطری نظر آنا، ہر چیز کا خیالات کی پیمائش ہونا دراصل زندگی کی تصویر کو واضح کرتا ہے۔ جہاں عقل اس پر حقیقت کا گمان کرے گی۔وہاں وہ ٹھوکر کھائے گی۔

قلندر بابا نے اپنی رباعیات کی بُنت کے لیے تشکیلات کے جو لفظی سلسلے چُنے ہیں اُن کی مجموعی کیفیت قاری کو اپنی گرفت میں لے لیتی ہے۔

(ج) روزِ محشر کا بیان

اسلامی عقائد میں توحید و رسالت کے بعد عقیدۂ آخرت کی بُہت اہمیت ہے۔اس عقیدے کے مطابق انسان مرنے کے بعد ہمیشہ کے لیے فنا نہیں ہوتا۔اُسے روزِ قیامت دوسری زندگی ملے گی جس میں اُسے اللہ تعالیٰ کو اپنے اعمال کا حساب دینا پڑے گا اور اعمال کے مطابق ہی سزا و جزا ملے گی۔

قرآن پاک میں اس حوالے سے آیا ہے کہ:

"حقیقت یہ ہے کہ آخرت پر یقین نہ رکھنے والے ہی عذاب میں اور دُور کی گمراہی میں ہیں"۔ (۱۱)

قلندر بابا اولیاء اس سلسلے میں اپنی ایک رباعی میں کہتے ہیں کہ:

"اب ذکرِ زمین و آسمان کیوں کر ہو
یہ عمر ہے کیا اس کا بیاں کیوں کر ہو
جس لحہ کہ آسمان زمین ٹکڑے ہوں
وہ لحۂ پیچیدہ عیاں کیوں کر ہو" (۱۲)

فرمان باری تعالیٰ ہے کہ:

۱) "اور قیامت کا ہونا تو آنکھ جھپکنے کی طرح ہے یا اس سے بھی زیادہ قریب۔ بے شک اللہ تعالیٰ ہر شے پر قادر ہے"۔ (۱۳)

۲) "اور قیامت کے دن ساری زمین اُس کی مٹھی میں ہوگی اور آسمان اُس کے داہنے ہاتھ میں لپٹے ہوں گے وہ ان کے شرک سے پاک اور بالاتر ہے"۔ (۱۴)

قلندر بابا اولیاء نے اپنی اس رباعی میں انسان کی مختصر زندگی کے قریب تر انجام کی یاد دہانی کروائی ہے کہ انسان جو آسمان اور زمین کا تذکرہ اپنی محدود سوچ کے مطابق کرتا ہے اور اسے اپنے لیے آرام و آسائش کا مرکز سمجھتا ہے وہ یہ بھول جاتا ہے کہ ایک دن بحکم خُداوندی یہ زمین و آسمان ٹوٹ کے بکھر جائیں گے اور لحۂ پیچیدہ (قیامت) ظاہر ہو جائے گی اور ہر انسان کو اپنے اعمال کا حساب لازماً دینا ہوگا۔ جواب دہی کا یہ احساس ہی انسان کو صراطِ مستقیم پر گامزن کرتا ہے۔

(د) ماہِ رمضان کا حکیمانہ تذکرہ

رمضان کے روزے قرآنِ حکیم کے مطابق پچھلی تمام اُمتوں پر بھی فرض کیے گئے تھے اور مسلمانوں پر بھی اُن کا رکھنا لازم قرار دیا گیا مقصود مختلف رویوں کی اصلاح اور تقویٰ کا حصول ہے۔

"تو جو کوئی تم میں سے یہ مہینہ پائے تو وہ اس کے روزے ضرور رکھے"۔ (۱۵)

ماہِ صیام کے حوالے سے قلندر بابا کی ایک رباعی ملاحظہ ہو۔

ے "ساقی تیرے مے کدے میں اتنی بے داد
روزوں میں ہوا سارا مہینہ برباد
اس باب میں ہے پیر مغان کا ارشاد
گر بادہ نہ ہاتھ آئے تو آتی ہے باد" (۱۶)

قلندر بابا نے مذکورہ رباعی میں رمضان کا اہتمام کرنے والوں کے لیے حکیمانہ نتائج حاصل کرنے کی سعی کی ہے۔ ماہِ رمضان کے بعد جو وظائف معاشرے کے ہاتھ لگنے چاہییں اُن میں انسان اور انسانیت کی خیر کا حوالہ، قوتِ برداشت بڑھانے کا وسیلہ، دوسروں کی بھوک و پیاس کی شدتوں کو محسوس کرنے کا قرینہ، اللہ تعالیٰ کے لیے اللہ تعالیٰ کی حلال نعمتوں سے بھی ایک طویل وقفے کے لیے رُک جانا، پرہیز گاری، تقویٰ اور معرفتِ الٰہی کا حصول شامل ہیں۔

چونکہ بین الاقوامی معاشرے میں بالعموم اور مسلمان معاشرے میں بالخصوص ماہِ صیام کا خارجی اہتمام کیا جاتا ہے اور عام طور پر وہ داخلی نتائج حاصل نہیں ہوتے جن کے یے روزہ فرض کیا گیا ہے۔ اس لیے قلندر بابا اپنی رباعیات میں تکرار کے ساتھ قارئین کی توجہ مذکورہ بالا حکمتوں کی طرف منتقل کرتے ہیں۔

(۵) شبِ برأت کی فضیلت

ماہِ شعبان کی پندرھویں رات کو شبِ برأت کہا جاتا ہے۔ برأت کا مطلب ہے نجات۔ نبی پاکؐ نے اس شب کی عبادت کو افضل قرار دیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ

"اس شب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اپنی رحمت کے دروازے کھول دیتا ہے
اور فرماتا ہے کہ کون ہے جو آج کی شب مجھ سے بخشش کی طلب کرے اور میں
اُس کو عذابِ دوزخ سے نجات دے کر اس کی مغفرت کروں"۔ (۱۷)

قلندر بابا اولیاء نے بھی اپنی ایک رباعی میں شبِ برأت کی فضیلت بیان کی ہے۔

" ساقی ہے شبِ برأت پانے کی رات
یہ رات ہے سوتوں کو جگانے کی رات
جو مانگے گا سائل وہ ملے گا بے شک
یہ رات تو ہے خاص پلانے کی رات " (۱۸)

حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ:

" شعبان میرا مہینہ ہے اور رمضان اللہ تعالیٰ کا مہینہ ہے"۔ (۱۹)

قلندر بابا اولیاء نے اس رباعی کے ذریعے شبِ برأت کی فضیلت بیان کرتے ہوئے اس رات بیداری کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی رحمت کے حصول پر زور دیا ہے کہ یہ رات اللہ تعالیٰ کی رضا کو حاصل کرنے، اپنے گناہوں کی معافی مانگنے، مغفرت طلب کرنے اور شفاعت حاصل کرنے کی رات ہے۔

(و) حق گوئی

حق گوئی کے موضوع کو بھی قلندر بابا اولیاء نے اپنی رباعیات میں سرفہرست رکھا ہے خاص طور پر حق بات کہنے اور حق بات سننے کے حوالے سے وہ اسلامی تاریخ کے بعض واقعات کا بھی ذکر کرتے ہیں۔ جیسا کہ اُن کی ایک رباعی ہے:

ے " کہتا ہے مجھے ایک زمانہ کافر
سچائی کا انجام ہوا یہ آخر
میں ایک کو دو نہ کہوں گا زنہار
گو سارے زمانے کو ہو بارِ خاطر " (۲۰)

اس رباعی میں حسین بن منصور حلاّج کی طرف تلمیحی اشارہ ہے یہ دورِ عباسیہ کے ایک مشہور صوفی بزرگ تھے۔ اپنے مشہور نعرہ "انا الحق" (میں حق ہوں) کی پاداش میں سُولی پر چڑھا دیے گئے تھے اپنی دانست میں وہ اپنی ذات کو خالقِ حقیقی کی ذات میں فنا کر چکے تھے۔ یہ ایک لحاظ سے آگاہی اور معرفتِ الٰہی کا اعلیٰ ترین مقام تھا۔ کہ بندے اور خالق کے درمیان دوئی کا تصور نہ رہے اور وہ الوہیت میں ڈوب کر فنا فی اللہ ہو جانے ہی کو اصل زندگی اور بقائے دوام سمجھے۔

ایسی ہی ایک اور رباعی ملاحظہ ہو۔

ے " کیا بات کو تلوار نہیں کر سکتے
سرمد کو سرِ دار نہیں کر سکتے
منہ رکھتا ہے انسان جو چاہے کہہ دے
الفاظ تو انکار نہیں کر سکتے " (۲۱)

سرمد شہید مغلیہ دور کے ایک مجذوب فقیر اور صوفی شاعر تھے۔ جو عشقِ مجازی سے عشقِ حقیقی کا سفر طے کرتے ہوئے مجذوب ہو گئے۔ اکثر و بیشتر لاَ اِلٰہَ کی تان لگایا کرتے جس پر علمائے ظاہر نے اُن پر کفر کا فتویٰ لگایا۔ حالانکہ

اُن کے بقول ابھی وہ نفی سے اثبات تک نہیں پہنچے اس لیے الا اللہ کہنا ابھی ممکن نہیں ورنہ جھوٹ ہوگا۔ اس پر شہر کے قاضی نے سزائے موت کا حکم سنایا اور دہلی کی جامع مسجد کے سامنے اُن کا سر قلم کر دیا۔

ے سُنی ہے داستانِ سرمد و منصور بھی تم نے
مگر اب تک نہ اُلفت کی حدیثِ خوں چکاں سمجھے (بیدؔم)

قلندر بابا نے مندرجہ بالا دونوں رباعیات کے ذریعے ہر حال میں حق بات کہنے اور پھر اُس پر ڈٹ جانے کی تلقین کی ہے۔ سچ بات اکثر کڑوی ہوتی ہے اور لوگوں کو تلوار کی طرح لگتی ہے لیکن جو شخص حق و باطل میں فرق جانتا ہے وہ کسی کی پرواہ نہیں کرتا خواہ اُسے کتنا ہی نقصان کیوں نہ اُٹھانا پڑے۔ اس ترغیب کو قلندر بابا نے اپنی رباعیات میں عام کرنے کا التزام کیا ہے۔

حوالہ جات (باب پنجم)

۱) قلندر باباولیاء، رباعیات، ص۔۳۱

۲) ایضاً، ص۔۳

۳) ایضاً، ص۔۴۷

۴) ایضاً، ص۔۵

۵) ایضاً، ص۔۴۴

۶) ایضاً، ص۔۶۶

۷) ایضاً، ص۔۹۲

۸) القرآن، سورۃ الرحمٰن، آیت۔۳۳

۹) قلندر باباولیاء ، رباعیات، ص۔۱۸

۱۰) ایضاً، ص۔۵۱

۱۱) القرآن، سورۃ السبا، آیت۔۸

۱۲) قلندر باباولیاء، رباعیات، ص۔۹۶

۱۳) القرآن، سورۃ النحل، آیت۔۷۷

۱۴) القرآن، سورۃ الزمر، آیت۔۲۷

۱۵) القرآن، سورۃ البقرہ، آیت۔۱۸۵

۱۶) قلندر باباولیاء، رباعیات، ص۔۳۳

۱۷) حدیث، ابن ماجہ، حدیث نمبر ۱۳۷۸

۱۸) قلندر باباولیاء، رباعیات، ص۔۲۲

۹) حدیث ضعیف الجامع الصغیر، جامع الترمذی، ابواب الصوم، ص۔۲۰۶۱

۲۰) قلندر باباولیاء، رباعیات، ص۔۳۶

۲۱) ایضاً، ص۔۱۸۲

باب ششم

سید محمد عظیم برخیاؔ کی شاعری کا
اسلوبیاتی اور فنی جائزہ

فصل اول: سید محمد عظیم برخیاؔ کی شاعری کا اسلوبیاتی اور فنی جائزہ

(ا) اسلوب کیا ہے؟

(ب) سید عظیم برخیاؔ کا شعری اسلوب

فصل دوم: فنی جائزہ

رباعیات برخیاؔ میں علم بیان کے محاسن

(تشبیہ، استعارہ، مجازِ مرسل، کنایہ)

فصل سوم: رباعیاتِ برخیاؔ میں علمِ بدیع کے محاسن

(صنعتِ تضاد، مراعاۃ النظیر، صنعتِ تلمیح،

صنعتِ استفہام، تکرارِ لفظی)

فصل چہارم: (ا) ادبی اصطلاحات

(سہلِ ممتنع، محاکات، قافیہ ورديف، سیاقۃ الاعداد

رموز وعلائم، ترنم وموسیقیت، سوز وگداز، وزن وبحر)

(ب) صوفیانہ اصطلاحات

(ج) قدیم وجدید تراکیب ومرکبات

فصل اول سید محمد عظیم برخیاؔ کی شاعری کا اسلوبیاتی جائزہ

انسان ازل سے اظہار عرفانِ ذات کی تگ ودو میں مبتلا ہے۔ اس مقصد کے لیے اسے زبان اور الفاظ کی ضرورت پڑتی ہے۔ ایک شاعر کی ذات کی تکمیل عموماً دو مراحل میں ہوتی ہے۔ ایک اُس کا تصور یا خیال۔ دوسرا اُس تصور یا خیال کا بیان۔ ایک تخلیق کار اپنے تصور کو جتنے مؤثر اور اعلیٰ انداز سے پیش کرتا ہے۔ اُتنا ہی اُس کی تخلیق ایک شاہکار کا درجہ اختیار کر لیتی ہے۔

ارسطو کے نزدیک "موزوں الفاظ کا انتخاب تخلیقِ شعر میں بہت اہمیت کا حامل ہے"۔ (۱)

جبکہ لانجائینس کے مشہور و معروف نظریہ ترفع کے پانچ ماخذات میں عظمتِ خیال اور شدتِ جذبات کے بعد اگلے تین ماخذات کا تعلق اسلوب سے ہے۔ یعنی صنائع بدائع کا مؤثر استعمال، اعلیٰ الفاظ کا انتخاب اور اعلیٰ ترتیبِ الفاظ۔ اُن کے نزدیک تخیل اور جذبے کے ساتھ ساتھ اسلوب اور فنی عناصر کا مؤثر اہتمام ایک شاعر کی عظمت کے لیے ضروری ہے۔ (۲)

مولانا حالیؔ نے "مقدمہ شعر وشاعری" میں بہترین شاعری کے لیے تین شرائط پیش کیں جن میں تخیّل، کائنات کا مطالعہ اور تفحصِ الفاظ (مناسب ترین الفاظ کا انتخاب اور حُسنِ ترتیب) شامل ہیں۔ بلکہ حالیؔ کے نزدیک تو "شاعری کا مدار جس قدر الفاظ پر ہے اس قدر معانی پر نہیں"۔ (۳)

شاعری کا اصل حُسن مؤثر اظہار و بیان پر منحصر ہوتا ہے اچھی شاعری اعلیٰ افکار اور خیالات کے ساتھ ساتھ موزوں اور مناسب فکر وفن سے ترتیب پاتی ہے۔ ایک شاعر یا ادیب جہاں موضوعاتی حوالے سے اپنی انفرادیت ظاہر کرتا ہے۔ وہاں فنی و اسلوبیاتی سطح پر بھی متنوع تجربات سے کام لیتا رہتا ہے۔ زبان کے ساتھ ساتھ وہ بیان کی کرشمہ سازیوں سے بھی پڑھنے والے کو اپنی گرفت میں لیتا ہے۔

کسی فن پارے میں موضوع کے بعد اسلوب ہی ہے جو شاعر و ادیب کی شخصیت کے مختلف گوشوں اور اُس کی انفرادیت کو قائم کر کے اُس کی شناخت کا باعث بنتا ہے۔

سیف اندازِ بیاں رنگ بدل دیتا ہے
ورنہ دنیا میں کوئی بات نئی بات نہیں (سیف الدین سیفؔ)

(۱) اسلوب کیا ہے؟

اسلوب کو انگریزی میں Style کہتے ہیں۔ یہ لاطینی لفظ Stylus سے مشتق ہے۔

اسلوب سے مراد کسی شاعر یا ادیب کا مخصوص اندازِ تحریر ہے۔ نیز اپنے خیالات اور فکر کو تحریری صورت دیتے ہوئے وہ جو انداز یا طرزِ بیان اختیار کرتا ہے وہ کسی ناگہانی فنی تجربے یا حُسنِ اتفاق کا شاخسانہ نہیں بلکہ اُس کی مسلسل ارادی اور طویل تحریری مشق کی بدولت اُس کی پہچان بن جاتا ہے۔

اُردو ادب میں بہت سے شعراء اور ادباء اپنے مخصوص اسلوب کی انفرادیت کے باعث جانے جاتے ہیں جیسا کہ ولیؔ دکنی، میر امنؔ، غالبؔ واقبالؔ، محمد حسین آزادؔ یا ابوالکلام آزادؔ کی نثر وغیرہ۔

"اسلوب سے مراد کسی ادیب یا شاعر کا وہ طریقہ ادائے مطلب یا خیالات وجذبات کے اظہار و بیان کا وہ ڈھنگ ہے جو اس خاص صنف کی ادبی روایت میں مصنف کی اپنی انفرادیت (انفرادی خصوصیات) کے شمول سے وجود میں آتا ہے۔ اور چونکہ مصنف کی انفرادیت کی تشکیل میں اس علم، کردار، تجربہ، مشاہدہ، اُفتادِ طبع، فلسفۂ حیات اور طرزِ فکر و احساس جیسے عوامل مل جُل کر حصہ لیتے ہیں اس لیے اسلوب کو مصنف کی شخصیت کا پَرتو اور اُس کی ذات کی کلید سمجھا جاتا ہے"۔ (۴)

اسلوب کا تعلق لفظ کے انتخاب اور استعمال سے ہے۔ دُنیا کے کسی بھی ادب میں الفاظ کے انتخاب اور ترتیب کو بنیادی اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ زبان ایک ہوتی ہے۔ لیکن اس کے استعمال کا انداز ہر ایک کے ہاں مختلف ہوتا ہے۔ نثر میں زبان کا تخلیقی استعمال اس قدر جمالیاتی وصوتی آہنگ پیدا نہیں کرتا۔ جس قدر شاعری میں اس سے مختلف جہتیں اور زاویے نمایاں ہوتے ہیں۔

بقول آتشؔ

بندشِ الفاظ جڑنے میں نگوں کے کم نہیں
شاعری بھی کام ہے آتشؔ مرصع ساز کا

سید عابد علی عابد اپنی کتاب "اسلوب" میں بہترین اسلوب کی درج ذیل خصوصیات بیان کرتے ہیں۔

۱۔ اسلوب کردار یا شخصیت کا عکس ہے۔

۲۔ وہ فن کار کی شخصیت ہے جو اسلوب کے روپ میں ظاہر ہوتی ہے۔

۳۔ اسلوب در حقیقت معانی اور ہیئت یا مافیہ اور پیکر کے امتزاج سے پیدا ہوتا ہے۔

۴۔ فن کار کو چاہیے کہ وہ اپنی تحریر میں زور، اختصار، اور حُسنِ تعبیر کی صفات پیدا کرے کہ بُری چیز بھی اچھی معلوم ہو۔

۵۔ فکری لحاظ سے اسلوب میں سادگی، قطعیت اور اختصار کا ہونا لازمی ہے۔ (۵)

گوپی چند نارنگ کے خیال میں

"مشرقی روایت میں ادبی اسلوب بدیع و بیان کے پیرایوں کو شعر و ادب میں بروئے کار لانے اور ادبی حُسن کاری کے عمل سے عہدہ برآ ہونے سے عبارت ہے یعنی یہ ایسی شے ہے جس سے ادبی اظہار کے حسن و دلکشی میں اضافہ ہوتا ہے۔ گویا اسلوب زیور ہے ادبی اظہار کا۔ جس سے ادبی اظہار کی جاذبیت، کشش اور تاثیر میں اضافہ ہوتا ہے"۔ (۶)

(ب) سید عظیم برخیاؔ کا شعری اسلوب

شخصیت کے انعکاس کے ساتھ ساتھ اسلوب سے نہ صرف کسی دور کے بدلتے رجحانات و مزاج کا پتہ چلتا ہے اور اُس مخصوص دَور کی تہذیب و ثقافت کی نشانیاں ہم تک پہنچتی ہیں بلکہ اسلوب اُس مخصوص صنف کا ترجمان بھی ہوتا ہے۔

قلندر بابا اولیاء کی رباعیات اپنے موضوعات کے حوالے سے کافی ٹھوس اور جاندار ہیں یہ رباعیات اُن کے وہ شعری تجربے ہیں جن میں موضوعات کی رنگارنگی اور تہہ داری ملتی ہے۔ اُنہوں نے اپنی رباعیات میں تہہ در تہہ مفاہیم کی پرتیں کھولی ہیں اور اس کے لیے جو پیرایۂ اظہار اختیار کیا ہے۔ اور جس طرح قاری کی توجہ مبذول کی ہے اُس سے ہمیں اُن کی زبان و بیان پر گرفت کا پتہ چلتا ہے۔

اسلوب کسی فن کار کی شخصیت کا آئینہ دار ہوتا ہے۔قلندر بابا کا مجموعہ "رباعیات" جہاں اُن کی فکر کا عکاس ہے۔وہاں ان رباعیات میں ان کی سادہ شخصیت پوری فن کاری کے ساتھ جلوہ گر نظر آتی ہے۔

اسلوب سازی میں جہاں انسان کے فکری رویے بہت اہم ہوتے ہیں۔ وہاں اُس فکر کی ترویج کے لیے موزوں ومناسب پیرایۂ بیان کی اہمیت کو قطعی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ قلندر بابا نے صوفیانہ مضامین صرف نظم ہی نہیں کیے بلکہ اپنی رباعیات میں مقصدیت کے باوجود مختلف شعری وفنی خوبیاں نہ صرف سموئی ہیں بلکہ اُس میں حتی الوسع شگفتگی ولطافت بھی قائم رکھی ہے۔قلندر بابا نے اپنے موضوع کی مناسبت اور اپنے شعری تجربے کے تقاضے کے تحت بیشتر رباعیات میں تشبیہ واستعارے کے ساتھ صنائع بدائع سے بھی کام لیا ہے۔تاہم تشبیہ واستعارے کی زبان میں ہونے کے باوجود یہ رباعیات اپنی تفہیم میں آسان تر ہیں۔ڈاکٹر یاسر ذیشان اپنے پی۔ایچ۔ڈی کے تحقیقی مقالے میں قلندر بابا کے شعری اسلوب کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ

> "صوفیانہ شاعری کا درجۂ کمال یہ ہے کہ اسلوب اور مواد دونوں اپنے معیار کے نقطۂ عروج پر ہوں۔یہ وہ مقام ہے جہاں پہنچ کر شعر تصوف میں ڈھل جاتا ہے اور تصوف شعر میں اُتر آتا ہے۔وفورِ شوق، حدتِ عشق، سوز وگداز اور گھلاوٹ ان کی رباعی کے بنیادی عناصر ہیں۔اُن کا طرزِ بیان فطری جاذبیت لیے ہوئے ہے۔ زبان صاف، اسلوب دل کش اور انداز انتہائی سادہ ہے۔عمیق صوفیانہ مضامین میں بیان کرتے ہوئے بھی سریّت، ایمائیت اور مشکل پسندی سے گریز کیا ہے۔لفظی صنائع بدائع ان کے ہاں فکر اور جذبے میں اس طرح تحلیل ہو گئے ہیں کہ بعض اوقات اُن کی جداگانہ تشخیص دشوار ہو جاتی ہے۔جس شدت سے جذبہ اُن پر طاری ہوتا ہے اِسی شدت سے وہ اسے شعری سانچے میں ڈھال دیتے ہیں"۔ (۷)

رباعیات کے اسلوب کا جائزہ لیتے ہوئے قلندر بابا کی لفظیات، تراکیب، تشبیہات واستعارات، علم البیان وبدیع، صنائع، رموز وعلائم کو پیشِ نظر رکھا جائے گا۔

(فنی جائزہ)

فصل دوم — رباعیاتِ برخیا میں علمِ بیان کے محاسن

علمِ بیان سے مراد وہ قواعد ہیں جن کے ذریعے کسی بات کو معنی کے لحاظ سے مختلف پیرایوں میں ادا کیا جاتا ہے ان سے بیان اور اسلوب میں اثر انگیزی اور جدت وندرت پیدا ہوتی ہے۔علمِ بیان کا تعلق الفاظ کے لغوی معنوں سے نہیں ہے۔

بقول سید عابد علی عابد کے:

"یہ وہ علم ہے جس کے ذریعے شاعر، ادیب، انشا پرداز اور نقاد اظہارِ مطلب
کے لیے موزوں ترین الفاظ کا انتخاب کرتے ہیں"۔ (۸)

تشبیہہ:

تشبیہہ کو شعر کا زیور بھی سمجھا جاتا ہے ہر شاعر اپنے اشعار کو اس سے سجاتا سنوارتا ہے۔

قلندر بابا کے ہاں تشبیہات کا مناسب استعمال کئی جگہوں پر ملتا ہے۔اُن کی تشبیہات روایتی ہونے کے باوصف تازگی کی حامل ہیں۔انہوں نے اپنی رباعیات میں انہیں اس طرح برتا ہے۔جو نہ فقط اُن کے جذبہ واحساس کی وضاحت کرتی ہیں۔بلکہ رباعی کی خوبصورتی اور تاثر میں بھی اضافے کا سبب بنتی ہیں۔

ؔ "چہرہ جسے دیکھیں تو کہیں ماہِ تمام
چلنا جسے دیکھیں تو کہیں ماہِ خرام
ساقی میں کیا بتاؤں جو اُن پر گزری
سو بار ہی خُم دیتے ہیں سو بار ہی جام " (۹)

اس رباعی میں ماہِ تمام اور ماہِ خرام کا متصل تشبیہاتی استعمال کلام کے حسن میں اضافہ کرتا ہے لیکن زیادہ اہم بات یہ ہے کہ یہ سلسلہ ان کی شخصیت کا پرتو رہا ہے لفظ وہی ہیں لیکن اُن کی ذات کے رنگ اوڑھ کر ان کا انداز نکھر گیا ہے۔

ے " یا مثلِ حباب ٹوٹتا ہے ساقی
یا آبلہ بن کے پھوٹتا ہے ساقی
اِک سانس کا اعتبار کیا پینے دے
اِک سانس کے غم سے چھوٹتا ہے ساقی " (۱۰)

یہاں حباب اور آبلہ زندگی کا عکس و پرتو ہیں ایک زندگی کو کہیں حباب تو کہیں آبلہ سے تشبیہہ دی گئی ہے دونوں میں انجام کے حوالے سے زیادہ فرق نہیں ہے۔

یہی بات میرؔ نے بھی اپنے ایک شعر میں کہی ہے۔

ے ہستی اپنی حباب کی سی ہے
یہ نمائش سراب کی سی ہے

بہر حال قلندر بابا نے بارِ دیگر اس حقیقت کو ایک سے زیادہ تشبیہات کے وسیلے سے اپنی اس رباعی میں اُجاگر کیا ہے۔ ایک اور جگہ کہتے ہیں۔

ے "انسان ہے ایک صیدِ زبوں اے ساقی
مٹی کو چلاتا ہے فسوں اے ساقی
بہتر ہے یہ مے خانہ کے اندر ہی رہے
باہر اسے ہوتا ہے جنوں اے ساقی " (۱۱)

مذکورہ بالا رباعی میں انسان کو صیدِ زبوں کہا ہے گویا انسان کو صیدِ زبوں سے تشبیہہ دی گئی ہے جو اپنی آزادی کے باوجود بہت سے معاملات میں تقدیر کا اسیر ہی نظر آتا ہے۔

ے "اِک ورقہ کتاب ہے یہ دُنیا کیا ہے
دو صفحہ کا باب ہے یہ دُنیا کیا ہے
ہر شخص کتاب و باب کو روتا ہے
اِک چشمِ پُر آب ہے یہ دُنیا کیا ہے " (۱۲)

یہاں مشبہ ایک ہے اور مشبہ بہ تین۔ دُنیا کو بیک وقت اِک ورقہ کتاب، دوصفحہ کا باب اور اِک چشم پُر آب کہا گیا ہے۔ یہ ایک طرف قلندر بابا کی ہنری گرفت اور دوسری جانب تخلیقی فراوانی پر دلالت ہے۔

استعارہ:

اسلوب کی توانائی استعارات کو اپنے نظام اور وجود کا حصہ بناتی رہتی ہے استعارے میں کوئی ایسا اشارہ ضروری مخفی ہوتا ہے جس سے مقصود تک بھی رسائی ہوجاتی ہے اور شخصیت کی جہتیں بھی نمایاں ہوتی رہتی ہیں۔

قلندر بابا کے ہاں استعارات کا خوبصورت استعمال جا بجا ملتا ہے۔

ے " مٹی نے انہیں بدل دیا مٹی میں
کتنے ہوئے دفن آفتاب و ماہتاب " (۱۳)

ے " قبروں پہ رُخ وزلف کو روتے ہیں دوست
قبروں میں رُخ وزلف کہاں رکھے ہیں " (۱۴)

یہاں اُن حسین وجمیل اور باکمال لوگوں کے لیے " آفتاب و ماہتاب " اور " رُخ وزلف " کے الفاظ بطور استعارہ استعمال ہوئے ہیں جو رزقِ خاک ہوئے اور مٹی تلے دفن ہو کے مٹی میں مٹی ہو گئے۔

قلندر بابا کے ہاں " اُستادِ ازل " اور " اُستادِ قلم " جیسے نئے استعارے بھی ملتے ہیں۔ اُستادِ ازل یعنی خالقِ کائنات۔ جو اس کل کائنات کا مالک بھی ہے اور اس کی تقدیر لکھنے والا بھی یعنی اُستادِ قلم۔

ذیل کی رباعیات میں اس کی مثالیں ملاحظہ ہوں۔

ے " تا چند کلیسا و کنشت و محراب
تا چند واعظ کے جہنم کا عذاب
اے کاش جہاں پہ آج روشن ہوتی
اُستادِ ازل نے کل جو لکھی تھی کتاب " (۱۵)

ے " عنوانِ مشیّت کہیں ٹل سکتا ہے
تو لوح کی تحریر بدل سکتا ہے
اُستادِ قلم نے لکھ دیا جو لکھا
کیا اُس کے خلاف بھی کوئی چل سکتا ہے " (۱۶)

قلندر بابا نے خالق کے لیے کمہار کا استعارہ بھی استعمال کیا ہے کہ کس طرح وہ عظیم کمہار اس خاک سے ہزاروں جلوے تخلیق کرتا ہے۔

ے " آدم کا کوئی نقش نہیں ہے بے کار
اس خاک کی تخلیق میں جلوے ہیں ہزار
دستہ جو ہے کوزہ کو اُٹھانے کے لیے
یہ ساعدِ سیمیں سے بنا تا ہے کمہار " (۱۷)

مجازِ مرسل:

قلندر بابا اولیاء کی رباعیات میں مجازِ مرسل کا استعمال کئی مقامات پر ہوا ہے۔ بعض جگہوں پر کُل بول کر جُز اور جُز بول کر کُل مُراد لیا گیا ہے۔ جبکہ بعض جگہ پر اُس کی ماضی کی حالت کے حوالے سے ذکر کر کے موجودہ حالت مُراد لی گئی ہے۔

جیسا کہ درج ذیل رباعی میں ہے۔

ے " مٹی کا ہے سینہ، مٹی کا شانہ ہے
مٹی کی گرفت میں تجھے آنا ہے
کچھ دیر پہنچنے میں لگے گی شاید
مٹی کی طرف چند قدم تجھے جانا ہے " (۱۸)

یہاں ایک طرف تو مٹی کا سینہ اور مٹی کا شانہ یعنی جُز بول کر پورا انسان یعنی کُل مراد لیا گیا ہے۔ دوسری طرف انسان کی اصل پیدائش مٹی سے ہونے کا بھی ذکر کر کے ماضی کا حوالہ دیا گیا ہے۔

ایک اور رباعی میں فرماتے ہیں۔

۔ " مٹی میں ہے دفن آدمی مٹی کا

پُتلا ہے وہ اِک پیالہ بھری مٹی کا

مے خوار پئیں گے جس پیالہ میں شراب

وہ پیالہ بنے گا کل اسی مٹی کا " (۱۹)

درج بالا رباعی میں قلندر بابا نے انسان کی تخلیق مٹی سے ہونے کی وجہ سے اُسے پیالہ بھری مٹی کہہ کے اُسے ماضی کی حالت کا نہ صرف احساس دلایا گیا ہے بلکہ کل کو اُس کے فنا ہونے اور مٹی میں مل کر دوبارہ مٹی ہونے کی بات کر کے اُسے عبرت بھی دلائی گئی ہے۔

کنایہ:

قلندر بابا کی رباعیات میں ہمیں کنایہ قریب کی بھی کئی مثالیں ملتی ہیں مثلاً۔

۔ "اس گُنجِ خراب میں ہوا پیدا میں

اِس گُنجِ خراب میں ہوا شیدا میں

اِس گُنجِ خراب نے کیا مجھ کو خراب

اِس گُنجِ خراب میں ہوا رسوا میں " (۲۰)

۔ "اِک آن ہے مے خانہ کی عمر اے ساقی

اِک آن کے بعد کیا رہے گا باقی

اِک آن میں ہو گی کہکشاں خاکستر

اِک آن کا فائدہ اٹھا لے ساقی " (۲۱)

مذکورہ رباعیات میں گُنجِ خراب اور مے خانہ کے الفاظ دُنیا کے لیے بطورِ کنایہ استعمال کئے گئے ہیں۔ کیونکہ یہاں اُن کے حقیقی اور مجازی دونوں معنی مراد لیے جا سکتے ہیں۔

فصل سوم

رباعیات برخیا میں علمِ بدیع کے محاسن

"بدیع کے لغوی معنی اچھوتے اور نادر کے ہیں۔ جس علم کے ذریعے کلام میں
لفظی اور معنوی خصوصیت کی بدولت اچھوتا پن پیدا کیا جائے اسے
علمِ بدیع کہتے ہیں"۔ (۲۲)

علمِ بدیع سے کلام کو خوبصورت اور دلکش بنایا جاتا ہے۔ رباعیات برخیا میں صنائع لفظی و معنوی کے مؤثر اور برمحل استعمال سے کلام کی اثر انگیزی میں خاطر خواہ اضافہ ہوا ہے۔

ذیل میں اس کی مثالیں دی جارہی ہیں۔

صنعت تضاد:

کلام میں دو یا دو سے زیادہ ایسے الفاظ کا استعمال کرنا جو ایک دوسرے کی ضد ہوں صنعتِ تضاد کہلاتا ہے۔
مثلاً دن رات، صبح شام، خوشی غم وغیرہ۔

کلامِ برخیا میں صنعتِ تضاد کے التزام کی چند مثالیں:

ے "تو آج خدا را کل کے بارے میں نہ سوچ
آئے گی اَجل، اَجل کے بارے میں سوچ
رشتہ تو ہمارا ہے ازل سے لیکن
پی اور پلا ازل کے بارے میں نہ سوچ" (۲۳)

ے "مرنے جینے میں فاصلہ کتنا ہے
اِک آن کا وقفہ بھی نہیں اتنا ہے
اِک آن اگر وقت کبھی رک جائے
معلوم یہ ہو جائے کہ یہ جتنا ہے" (۲۴)

ے "اب ذکر زمین وآسماں کیوں کر ہو
یہ عمر ہے کیا اس کا بیاں کیوں کر ہو
جس لمحہ کہ آسماں زمیں ٹکڑے ہوں
وہ لمحۂ پیچیدہ عیاں کیوں کر ہو " (۲۵)

درج بالا رباعیات میں آج کل، مرنے جینے اور زمین وآسمان کے الفاظ متضاد کی صورت میں موجود ہیں۔ زندگی کا شعور انہی تضادات کی بدولت ہی حاصل ہوتا ہے۔قلندر بابا نے زندگی کے تضادات کی وضاحت ان الفاظ کی مدد سے کی ہے۔قلندر بابا کی تضاد نگاری میں زندگی کے تجربات ومشاہدات شامل ہیں۔

مراعاۃ النظیر:

مراعاۃ کا معنی ملحوظ رکھنا اور نظیر کے معنی ہیں ایک چیز کی مناسبت سے کلام میں مماثل چیزوں کو جمع کر دینا۔مثلاً باغ کی مناسبت سے گل، بلبل، تتلیاں وغیرہ۔

مراعاۃ النظیر کے مناسب اور موزوں استعمال سے کلام میں اثر آفرینی پیدا ہوتی ہے۔

قلندر بابا اولیاء کی رباعیات میں جس صنعت کا سب سے زیادہ استعمال ہوا ہے وہ مراعاۃ النظیر کی صنعت ہے اس کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

ے "مے خانہ ہے یہ ساقی کا سایہ ہے جہاں
جام وقدح وشیشہ ومینا ہے جہاں
پیتا ہے شرابِ ناب جو آتا ہے
لفظوں کی نہیں عمل کی دنیا ہے یہاں " (۲۶)

ے " کچھ گھاس کے پتوں میں اُگی ہے مٹی
کچھ باغ کے پودوں میں ڈھلی ہے مٹی
کچھ رنگ برنگ پھول ہوئی ہے مٹی
کچھ تتلیاں بن بن کر اُڑی ہے مٹی " (۲۷)

ے " یہ بود و نبود کیا ہے کس کو معلوم
افلاک کی جو ادا ہے کس کو معلوم
سب راز ہیں کہکشاں کی گردش کے عظیم
خورشید میں کیا چھپا ہے کس کو معلوم " (۲۸)

درج بالا رباعیات میں مے خانہ کی مناسبت سے جام، قدح، شیشہ ومینا اور شرابِ ناب، باغ کی مناسبت سے گھاس، پتے، مٹی، پھول اور تتلیاں جبکہ افلاک کی نسبت سے کہکشاں، گردش اور خورشید کا ذکر مراعاۃ النظیر کی خوبصورت مثالیں ہیں۔

صنعتِ تلمیح:

کلام میں کسی آیتِ قرآنی، حدیثِ نبوی ﷺ، کسی مشہور تاریخی واقعے یا علمی اصطلاح کا نظم کرنا اور مقصود اس سے کلام کی وضاحت ہو تلمیح کہلاتا ہے۔

قلندر ابا اولیاء نے اپنی رباعیات میں مختلف تلمیحات کا برمحل اور برموقع استعمال بہت ہنرمندی سے کیا ہے۔ اس حوالے سے چند رباعیات ملاحظہ ہوں۔

ے " مئے خانہ کے اندر ہیں سبھی مست وخراب
مٹی کی صراحی بھی ہے غرقِ مئے ناب
مے خواروں کے کیا دماغ ہیں مت پوچھو
جامِ سرِ جمشید میں پیتے ہیں شراب " (۲۹)

ے " نہروں کو مے ناب کی ویراں چھوڑا
پھولوں میں پرندوں کو غزل خواں چھوڑا
اُفتادِ طبیعت تھی عجب آدم کی
کچھ بس نہ چلا تو باغِ رضواں چھوڑا " (۳۰)

ے "اندھیر شبِ غم کا جہاں ہوتا ہے

درد دِلِ عاشق بھی وہاں ہوتا ہے

فرہاد کے بدخواہ یہ لکھ لیں دل پر

جگنو بھی چراغِ آشیاں ہوتا ہے " (۳۱)

مندرجہ بالا رباعیات میں سے پہلی رباعی میں "جامِ جمشید" کی تلمیح سے ایران کے مشہور بادشاہ جمشید کا ذکر کیا ہے جس کے پاس ایک طلسمی پیالہ تھا جس میں وہ دنیا کے حالات معلوم کیا کرتا تھا۔ دوسری رباعی میں "آدم اور باغِ رضواں" کی تلمیحات سے حضرت آدمؑ کے جنت سے نکالے جانے والے واقعے کا بیان ملتا ہے جبکہ تیسری رباعی میں "فرہاد" کی تلمیح سے ایران کے شیریں فرہاد کی رومانوی داستان کا ذکر کیا گیا ہے۔فرہاد ایران کے بادشاہ خسرو پرویز کی ملکہ شیریں پر عاشق ہوگیا تھا اور اُس کی طلب میں کوہِ بے ستوں کو کاٹ کر دودھ کی نہر نکالی اور بعد میں شیریں کے مرنے کی خبر سُن کر اُسی تیشے سے اپنی جان لے لی۔

ے " مٹی سے بنی ہے سب کی گردن

ٹوٹی ہے بنی ہے پھر بھی کوئی گردن

عذرا کی ہو لیلیٰ کی کہ شیریں کی عظیم

گردن ہے صراحی کی کسی کی گردن " (۳۲)

یہاں عذرا، لیلیٰ اور شیریں تین خواتین کا ذکر بطور تلمیح مذکور ہے جو تاریخی اور روایتی طور پر تین رومانوی کہانیوں کی ہیروئن ہیں۔یعنی وامق و عذرا، لیلیٰ و مجنوں اور شیریں فرہاد۔

صنعتِ استفہام:

استفہام کچھ جاننے کے لیے مختلف سوالات کرنے کو کہتے ہیں۔ انسان کا ذہن جو کچھ سوچتا ہے اُس میں سوالات کا پیدا ہونا قدرتی امر ہے۔بعض سوالات کے جوابات مل جائیں تو اُن سے مزید نئے سوالات جنم لیتے ہیں مسئلہ کائنات کا ہو یا انسانی وجود کا۔سوالات کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ ہے۔کلماتِ استفہام شاعری میں حسن اور تاثیر میں اضافے کا سبب بنتے ہیں۔

قلندر بابا کے ہاں ایسی رباعیات کی کمی نہیں۔ جو استفہامیہ ہیں آپ نے مختلف سوالات اُٹھا کر اپنے ساتھ ساتھ دوسروں کو بھی غور وفکر کی جانب راغب کرنے کی کوشش کی ہے۔

ذیل میں اس حوالے سے کچھ مثالیں دی جا رہی ہیں۔

ے "اب ذکرِ زمین وآسماں کیوں کر ہو
یہ عمر ہے کیا اس کا بیاں کیوں کر ہو
جس لمحہ کہ آسمان زمین ٹکڑے ہوں
وہ لمحۂ پیچیدہ عیاں کیوں کر ہو" (۳۳)

ے "یہ بود و نبود کیا ہے کس کو معلوم
افلاک کی جو ادا ہے کس کو معلوم
سب راز ہیں کہکشاں کی گردش کے عظیم
خورشید میں کیا چھپا ہے کس کو معلوم" (۳۴)

ے "یہ کون بتائے کہ وہاں جاتا ہے
کیا علم کسی کو وہ جہاں جاتا ہے
مانا کہ ہر اک لفظ زباں پر ہے عظیم
جب منہ سے نکلتا ہے کہاں جاتا ہے" (۳۵)

تکرارِ لفظی:

بعض اوقات تکرارِ لفظی سے بھی کلام میں حُسن پیدا کیا جاتا ہے۔ اس سے فنِ شاعری پر شاعر کی دسترس کا بھی پتہ چلتا ہے۔ ظاہر ہے جس لفظ کی ضرورت زیادہ ہوگی اُسے شاعر ایک سے زائد بار بھی استعمال کر سکتا ہے۔ اس سے شاعری میں نہ صرف ایجاز واختصار پیدا ہوتا ہے بلکہ حشو وزوائد کا شائبہ بھی نہیں ملتا اگرچہ کہ تکرارِ لفظی کا زیادہ

استعمال مستحسن نہیں سمجھا جاتا مگر جہاں شاعر کا مقصد بیان میں شدت پیدا کر کے اُس کی اہمیت کو واضح کرنا ہو وہاں عموماً تکرارِ لفظی سے کام لیا جاتا ہے۔

قلندر بابا نے اپنی رباعیات میں تکرارِ لفظی سے نہ صرف نغمگی، جھنکار اور خوبصورت تنوع پیدا کیا ہے بلکہ بعض مخصوص الفاظ کی تکرار سے قاری کو بعض معاملات میں غور و فکر کی دعوت بھی دی ہے۔ اس ضمن میں چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

ؔ "اس گُنجِ خراب میں ہوا پیدا میں
اِس گُنجِ خراب میں ہوا شیدا میں
اِس گُنجِ خراب نے کیا مجھ کو خراب
اِس گُنجِ خراب میں ہوا رسوا میں " (۳۶)

ؔ "یہ مٹی یہ کوزہ ہے یہ کوزہ گر ہے
یہ مٹی ہزار شکل کا محور ہے
یہ مٹی ہی انگور ہے اور مے خانہ
یہ مٹی ہی ساقی کا رُخِ انور ہے " (۳۷)

ؔ " افلاک کا ہے ستم، ستم بھی کیا ہے
اِک لمحے کا جو غم ہے وہ غم بھی کیا ہے
پی اور بہت پی کہ ترا دَم نہ رہے
اِک دَم کی ہے زندگی وہ دَم بھی کیا ہے " (۳۸)

فصل چہارم

ادبی اصطلاحات

پروفیسر انور جمال کے بقول:

"ہر علم اپنے اسرار ورموز کے بیان کے لیے مخصوص زبان رکھتا ہے یہ مخصوص زبان جس کی بنیاد علامت ہے اصطلاح کہلاتی ہے"۔ (۳۹)

اور بقول پروفیسر وحیدالدین سلیم کے:

"اصطلاحیں درحقیقت اشارے ہیں جو خیالات کے مجموعوں کی طرف ذہن کو فوراً منتقل کر دیتے ہیں"۔ (۴۰)

اصطلاح کے لغوی معنی باہمی مصالحت سے کچھ معنی مقرر کر لینے کے ہیں۔ جو الفاظ بطور اصطلاح استعمال ہوتے ہیں۔ وہ لُغت میں اُن معنوں میں استعمال نہیں ہوتے بلکہ اُن کے توسیعی معنی مراد ہوتے ہیں۔ تاہم اُن کے لغوی اور اصطلاحی معنوں کا آپس میں کچھ نہ کچھ تعلق ضرور ہوتا ہے۔

ہر علم کی اپنی مخصوص اصطلاحات ہوتی ہیں اگر یہ اصطلاحات نہ ہوتیں تو علمی مطالب کو سمجھنا اور اُنہیں ادا کرنا مشکل ہو جاتا۔ دیگر شعبوں کی طرح اُردو ادب کی بھی اپنی اصطلاحات ہیں۔

اس حوالے سے جب رباعیاتِ قلندر بابا کا جائزہ لیا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ قلندر بابا نے اپنے موضوع و خیال کی وضاحت کے لیے مناسب اور موثر شعری اصطلاحات کا عمدہ استعمال کیا ہے۔ اُن کی رباعیات میں مستعمل شعری اصطلاحات ملاحظہ کیجئے۔

سہلِ ممتنع:

سہلِ ممتنع ایسے کلام کو کہا جاتا ہے جو بظاہر تو آسان دکھائی دے مگر اُس کی مثال بنانا مشکل ہو۔

اختصار نویسی ایک مشکل فن ہے بعض اوقات طوالت اور مشکل پسندی بات کا اثر ختم کر دیتی ہے۔ دریا کو کوزے میں بند کرنا سہلِ ممتنع ہے۔

رباعیاتِ برخیا میں سہلِ ممتنع کی چند مثالیں ملاحظہ کریں۔

ے "ساقی ترے قدموں میں گزرنی ہے عمر
پینے کے سوا کیا مجھے کرنی ہے عمر
پانی کی طرح آج پلا دے بادہ
پانی کی طرح کل تو بکھرنی ہے عمر" (۴۱)

ے "معلوم نہیں اُڑ کے کدھر جاتے ہیں
پیچھا نہیں ممکن یہ جدھر جاتے ہیں
ہاں اتنا تو اندازہ ہوا ہے مجھ کو
اوراق ہیں عمر کے بکھر جاتے ہیں" (۴۲)

ے "اِک وہم ہے جس کو کہکشاں کہتے ہیں
اِک وہم ہے جس کو آسماں کہتے ہیں
اِک وہم ہے جس کا نام آدم ہے عظیم
اِک وہم ہے جس کو دو جہاں کہتے ہیں" (۴۳)

محاکات:

شبلی نعمانی کے خیال میں شاعری دو چیزوں کے مجموعے کا نام ہے" تخیل اور محاکات" محاکات کا معنی ہے کسی چیز یا حالت کے بارے میں الفاظ اور تخیل کی مدد سے اس طرح بتانا کہ اُس کی حقیقی اور جیتی جاگتی تصویر نظر کے سامنے آجائے اسے منظر کشی یا امیجری بھی کہہ سکتے ہیں۔

قلندر بابا کے ہاں ہمیں محاکات کی شاندار مثالیں ملتی ہیں۔

ے "برسات کا موسم آگیا ہے لبِ جُو
اے پیر مغاں کھول دے منہ جام سبو
باغوں میں بہار کی فراوانی ہے
کوئل بھی پکارتی ہے کُو کُو، کُو کُو" (۴۴)

ے " مے خانہ پہ ہر سمت گھٹا چھائی ہے
ساقی تیرے دامن میں بہار آئی ہے
رُخ بھی تیرا گل رنگ ہے پیراہن بھی
خود بھی مئے گل رنگ تماشائی ہے " (۴۵)

قافیہ و ردیف:

شاعری میں بحر کا توازن قائم کرنے کے لیے قافیہ اور ردیف کا استعمال ناگزیر ہوتا ہے۔

قلندر بابا اولیاء کی رباعیات میں قافیہ اور ردیف کا التزام بہت مہارت سے کیا گیا ہے۔ اُن کی بعض رباعیات مردف ہیں جبکہ بعض غیر مردف۔ یعنی بعض رباعیات میں قافیے کے ساتھ ردیف ہے اور بعض میں صرف قافیہ ہے ردیف نہیں ہے۔

غیر مردف رباعی کی مثال:

ے " یہ ریت کی دنیا ہے عجب افسانہ
بُت ریت کے ہیں ریت کا ہے بُت خانہ
گھنٹے کی صدا ریت کے اندر گم ہے
گویا کہ ہوئی صدا بھی اِک ویرانہ " (۴۶)

ے " واللہ کہ یہ خود کو نہیں پہچانے
افسانہ و افسوں میں رہے فرزانے
قدرت کا عطیّہ خود ہی قدرت ہے عظیم
یہ بات سمجھتے ہیں فقط دیوانے " (۴۷)

مردف رباعی کی مثالیں:

ے "بے بادہ تو آرام کہاں رکھا ہے
وہ جام میں ہے جام کہاں رکھا ہے
اب نام بھی مجھ سے پوچھتا ہے ساقی
بے نام ہوں نام کہاں رکھا ہے " (۴۸)

ے "دو چار قدم عدم سے آنا ہے مجھے
دو چار قدم عدم کو جانا ہے مجھے
پانی کی طرح سے پائے ساقی میں عظیمؔ
اس باقی عمر کو بہانا ہے مجھے " (۴۹)

بعض رباعیات میں اُنہوں نے اپنے نام کو بطورِ ردیف استعمال کیا ہے مثلاً

ے " مٹی ہے چمٹنے کو چمٹتی ہے عظیمؔ
فکر اس کی ہے پیروں سے لپٹتی ہے عظیمؔ
شاید ہو کسی فرشتہ خُو کی مٹی
دل میں مرے یہ بات کھٹکتی ہے عظیمؔ " (۵۰)

ے "اُک دَم جو ہے موجود غنیمت ہے عظیمؔ
شاید یہی زندگی کی فرصت ہے عظیمؔ
دو چار قدم کا راستہ باقی ہے
آئندہ جو ہے عدم کی رخصت ہے عظیمؔ " (۵۱)

سیاقتہ الاعداد:

یہ ایسی صنعت ہے جس میں کلام میں ہندسوں اور اعداد کا ذکر ہوتا ہے۔قلندر بابا کی رباعیات میں ایک سے زائد مرتبہ اس صنعت کا ستعمال ہوا ہے۔مثالیں ملاحظہ ہوں۔

ـ "جس وقت کہ تن جاں سے جُدا ٹھہرے گا
دو گز ہی زمین میں تو جا ٹھہرے گا
دو چار ہی روز میں تو ہو گا غائب
آ کر کوئی اور اُس جگہ ٹھہرے گا" (۵۲)

ـ "دو چار نفس کا ہے زمانہ ساقی
پینا ہے بس اک میرا فسانہ ساقی
سوسال یہاں کے ہیں بہانہ ساقی
کُل عمر ہے اک تازیانہ ساقی" (۵۳)

ـ "جب تیری مشیت ہے ستم سہنے دے
اِک حرف شکایت کا مگر کہنے دے
کُل عمر میں اِک نفس نہیں ہے اپنا
دو چار نفس تو عاریت رہنے دے" (۵۴)

مندرجہ بالا رباعیات میں دوگز، دو چار، سوسال اور اِک وغیرہ سیاقتہ الاعداد ہیں۔

رموز و علائم:

علامت عربی زبان کا لفظ ہے جو نشان، سُراغ اور نقش وغیرہ کے معنی دیتا ہے۔ادب اور فلسفے میں علامت اپنے لغوی معنوں میں استعمال نہیں ہوتی۔ بلکہ ایک وسیع مفہوم رکھتی ہے۔مثلاً بہار ایک موسم نہیں بلکہ خوشی ومسرت کی

نویداوراچھے دن آنے کی علامت ہے۔

ہر دور میں علامت کی تخلیق کے پیچھے سیاسی، سماجی اور تاریخی عوامل ہوتے ہیں۔بعض اوقات شاعر کے ذاتی تجربات بھی بعض علامتوں کی تشکیل کا باعث بنتے ہیں۔

اشاریوں کنایوں میں بات کرنا انسان کی سرشت میں ہے۔خاص طور پر جب معاشرتی پابندیاں کھل کر کچھ کہنے کا موقع نہیں دیتیں تو لوگ علامتوں کی آڑ میں اپنے جذبات واحساسات اورافکارونظریات کی ترجمانی کرنے لگتے ہیں۔

بقول فیضؔ

متاعِ لوح وقلم چھن گئی تو کیا غم ہے

کہ خونِ دل میں ڈبولی ہیں انگلیاں میں نے

قلندر باباولیاء نے صوفیانہ حقائق کے اظہار کے لیے روایتی علامتوں کوایک مخصوص معنویت کے ساتھ اُبھارا ہے۔آپ کے ہاں علامتیں اتنی خوبی سے استعمال ہوئی ہیں کہ جزوِشعر معلوم ہوتی ہیں۔اُنہوں نے سیدھے سادھے انداز میں عام زندگی اور تصوف کے دقیق مضامین کو بیان کیا ہے۔قلندر باباولیاء کی صوفیانہ شخصیت اوراُن کے ذاتی تجربات ومشاہدات کو بآسانی اُن کی رباعیات میں مستعمل علامتوں کے ذریعے سمجھا جاسکتا ہے۔اُن کے ہاں مختلف تہذیبی، معاشرتی اورصوفیانہ علائم عام ملتے ہیں۔مثلاً آدم، مٹی، افسانہ، شہر، ویرانہ، عکس، خاک، پیمانہ، پُتلا، پیالہ، شراب، کھلونا، واعظ، کتاب، روشنی، آفتاب، ماہتاب، جام، ساغر، آئینہ، جھونپڑی، قلعہ، ساقی، مے کدہ، مے، شراب، بادہ، خُم، شہباز، سوسن، چراغ، پردہ، ذرہ، خاک، مالا، اختر، چاندنی رات، کُوزہ، نشہ، افلاک، فرشتہ، دَم، قدم، لوح، قلم، خورشید، کلیسا، کنشت، مے خانہ، جادو، سبو، سبزہ، سروسمن، ہوا، جھونکے، خاکستر، راہ، عذرا، لیلیٰ، شیریں، صراحی، گردن، آشیانہ، پیرہن، قمریاں، مچھلیاں، تتلیاں، باغ، ماہ رُخ، لالہ وگل، آسمان، زمین، شیخ، برہمن، برسات، بہار، بُت، بُت خانہ، صدا، گھنٹہ، سکندر، دارا، کُوزہ، کمہار، شمع، شب، مہ، مہر، فلک، حباب، جگنو، آبلہ، نشیمن، خرقہ، زنارِ برہمن، مے کش، قدح، شیشہ، مینا، صنم، مشرق، مغرب، صید، چاندنی، سایہ، کٹھ پتلی، پھول، محمود، حامد، زید، گریبان، کفن، رات، کہکشاں، ملکِ سلیماں، شبستان، دیوانے، کتاب، چشمِ پُرآب، انگور، زندانی،

دل، جگر، مٹی کے ڈھیر، آتش، دن، رات، داغ، گھٹا، بصارت، جُرعہ، عرش، فرہاد، جگنو، عاشق، غبار، سرمد، تلوار۔

رموز و علائم کے برمحل استعمال کے حوالے سے قلندر بابا کی چند رباعیات ملاحظہ ہوں۔

ے " مٹی سے بنی ہوئی ہے سب کی گردن
ٹوٹی ہے بنی ہے پھر بھی کوئی گردن
عذرا کی ہو لیلیٰ کی کہ شیریں کی عظیم
گردن ہے صراحی کی کسی کی گردن " (۵۵)

ے " مے خانہ ہے یہ ساقی کا سایہ ہے جہاں
جام و قدح و شیشہ و مینا ہے جہاں
پیتا ہے شرابِ ناب جو آتا ہے
لفظوں کی نہیں عمل کی دنیا ہے یہاں " (۵۶)

ے " اِک آتشِ سوزاں ہے جہاں دیکھو گے
جلتے ہوئے دن رات وہاں دیکھو گے
آتش نے جلے داغ، جو چھوڑے ہیں کہیں
اُن داغوں میں تم کون و مکاں دیکھو گے " (۵۷)

ترنم و موسیقیت:

شعر میں خوبصورت و موزوں الفاظ کے برمحل استعمال، تکرارِ الفاظ و اصوات، مترنم لفظوں اور ارتعاشِ احساس سے ایک لطیف موسیقی پیدا ہوتی ہے۔ یہ شاعری کی ایک اضافی خوبی ہے۔

رباعیات برخیاؔ میں ہمیں ترنم و موسیقیت کا خصوصی اہتمام نظر آتا ہے۔ جس سے اُن کا لُطف دوبالا ہو جاتا ہے۔ قلندر بابا کی رباعیات میں ترنم و موسیقیت کی چند مثالیں درج ذیل ہیں۔

ے "دُنیا وہ نگر ہے کہ جہاں کچھ بھی نہیں
انسان وہ گھر ہے کہ جہاں کچھ بھی نہیں
وہ وقت کہ سب جس کو اہم کہتے ہیں
وہ وقت صفر ہے کہ جہاں کچھ بھی نہیں" (۵۸)

ے "معلوم نہیں اُڑ کے کدھر جاتے ہیں
پیچھا نہیں ممکن یہ جدھر جاتے ہیں
ہاں اتنا تو اندازہ ہوا ہے مجھ کو
اوراق ہیں عمر کے بکھر جاتے ہیں" (۵۹)

سوز و گداز:

"فن اپنے خلقی پیرائے میں ایک کرب انگیز کیفیت رکھتا ہے۔فن پارہ "لا" کی فضا سے برآمد ہوتا ہے۔اس تخلیقی عمل کے ذریعے تخلیق کار جس پگھلاؤ اور درد سے گزرتا ہے اسے سوز و گداز کا نام دیا گیا ہے"۔ (۶۰)

چونکہ قلندر بابا اولیاء ایک باعمل صوفی اور درویش تھے۔لہٰذا اُن کی نثر کی طرح اُن کی صوفیانہ رباعیات میں بھی احساس کی جدت اور جذبے کی وہ شدت ملتی ہے جو قاری اور سامع کو متاثر کیے بغیر نہیں رہتی۔اُن کے دھیمے دھیمے لہجے اور سلگاؤ کے نرم عمل نے اُن کی رباعیات کو پُر سوز اور مؤثر بنا دیا ہے۔

اس حوالے سے چند مثالیں ملاحظہ ہوں

ے "اپنوں کی طرف دیکھ کے رہ جاتا ہوں
کتنی ہی بڑی بات ہو سہہ جاتا ہوں
اپنی ان ہی خشک آنکھوں سے عظیمؔ
ویرانی کا اک افسانہ کہہ جاتا ہوں" (۶۱)

ے " اب عمر ضعیفی کی ہے میری ساقی
اب کچھ نہیں اعصاب کے اندر باقی
اب خود میری مٹی کا بنے گا ساغر
ساغر میرے ہاتھ سے نہ چھین اے ساقی " (۶۲)

ے " اُٹھی ہیں شبِ غم کی گھٹائیں ساقی
افلاک سے اُتری ہیں بلائیں ساقی
ان میں ہی اگر موت چھپی ہے اپنی
پیاسے تیرے مے خوار نہ جائیں ساقی " (۶۳)

وزن و بحر:

باب دوم " اُردو میں رباعی کی روایت اور ارتقاء " میں رباعی کے اوزان و بحور پر تفصیلی بات ہو چکی ہے۔ رباعی اپنی مخصوص ہیئت کی وجہ سے زیادہ تر بحرِ ہزج مثمن سالم کے مقررہ چوبیس اوزان میں ہی لکھی جاسکتی ہے۔

اس سے پہلے کہ اس تناظر میں قلندر بابا کی رباعیات میں مستعمل اوزان کا جائزہ لیا جائے۔اس حوالے سے علم عروض کے ماہر محترم نشاط سرحدی صاحب کی رائے نقل کی جا رہی ہے۔ جو انہوں نے قلندر بابا کی کتاب " رباعیات " پر دی۔

> " عام طور پر رباعی گو شعراء اپنی رباعیات میں شجرۂ اخرب کے دو معروف اوزان " مفعول مفاعلن مفاعیلن فع " اور " مفعول مفاعیل مفاعیلن فع " ہی استعمال کرتے ہیں جب کہ قلندر بابا نے شجرۂ اخرب اور اخرم کے گیارہ اوزان میں اپنی رباعیات لکھی ہیں۔اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اُنہیں صنفِ رباعی کے اوزان سے نہ صرف مکمل واقفیت اور اُن پر عبور حاصل تھا بلکہ اُس پر اُن کی گرفت اور مناسب استعمال اُن کی قادرالکلامی کا منہ بولتا ثبوت ہے "۔ (۶۴)

قلندر بابا کی رباعیات میں مستعمل گیارہ اوزان درج ذیل ہیں۔

۱۔ مفعول مفاعلن مفاعیلن فع

۲۔ مفعول مفاعلن مفاعیلن فعل

۳۔ مفعول مفاعلن مفاعیل فعل

۴۔ مفعول مفاعلن مفاعلن مفعولن

۵۔ مفعول مفاعلن مفاعیلن فعول

۶۔ مفعول مفاعیل مفاعیلن فع

۷۔ مفعولن مفعول مفاعیلن فع

۸۔ مفعولن مفعولن مفعولن فعل

۹۔ مفعولن مفعولن مفاعیل فعل

۱۰۔ مُستفعلتن فاعلتن فاعلتن

۱۱۔ مفعولات فاعلن مفاعیلن فع

قلندر بابا کی رباعیات میں مذکورہ بالا اوزان میں سب سے زیادہ رباعیاں "مفعول مفاعلن مفاعیلن فع" اور "مفعول مفاعیل مفاعیلن فع" کے وزن پر ہیں۔آپ کی بعض رباعیاں مکمل طور پر ایک ہی وزن پر ہیں۔بعض میں دو اوزان اور بعض میں تین اوزان کا استعمال کیا گیا ہے۔

قلندر بابا کی رباعیات میں ان مستعمل اوزان کا موثر اور برمحل استعمال ملاحظہ ہو۔

؎ "جس وقت کہ تن جاں سے جُدا ٹھہرے گا

دو گز ہی زمیں میں تو جا ٹھہرے گا

دو چار ہی روز میں تو ہو گا غائب

آ کر کوئی اور اس جگہ ٹھہرے گا" (۶۵)

مذکورہ رباعی میں اوزان کا استعمال ملتا ہے ۔ پہلے مصرعے میں " مفعول مفاعیل مفاعیلن فع " دوسرے مصرعے میں " مفعولن مفعول مفاعیلن فع " جبکہ تیسرے اور چوتھے مصرعے میں " مفعول مفاعلن مفاعیلن فع " کے وزن پر ہے۔

ے " ہو جھو نپڑی یا قلعہ تیری ملکیت
لیکن اَجل اِک دَم کی نہ دے گی مہلت
رکھ کر گڈھے میں کہیں گے احباب سب
پائی ہے فلاں ابنِ فلاں نے رحلت " (٦٦)

درجہ بالا رباعی کے پہلے مصرعے میں " مفعول مفاعلن مفاعیلن فع " دوسرے اور چوتھے مصرعے میں " مفعول مفاعیل مفاعیلن فع " جبکہ تیسرے مصرعے میں " مفعول مفاعلن مفاعیل فعل " کے اوزان مستعمل ہیں۔

ے " آنا مرے اختیار میں نہ جانا غافل
کھونا مرے اختیار میں نہ پانا غافل
کُل عمر میں اک سانس نہیں ہے میرا
البتہ ہے اختیار کا بہانہ غافل " (٦٧)

اس رباعی کا پہلا، دوسرا اور چوتھا مصرعہ ہم وزن ہیں جو کہ " مفعول مفاعلن مفاعلن مفعولن " کے وزن پر ہے جبکہ تیسرا مصرعہ " مفعول مفاعیل مفاعیلن فع " کے وزن پر ہے۔

ے " ہے چاندنی رات ٹوٹ گئے سارے اصول
ہے کوزہ سے منہ لگا کے پینا بھی قبول
ساقی کی نگاہیں بھی قیامت ہیں عظیم
ہر چیز نظر آتی ہے نشہ کا نزول " (٦٨)

اس رباعی کے پہلے دو مصرعے " مفعول مفاعلن مفاعیلن فعول " جبکہ تیسرا اور چوتھا مصرعہ " مفعول مفاعیل مفاعیلن فع " کے وزن پر ہے۔

؎ "جس پردے میں دیکھتا ہوں پردا ہے الگ

جس نقشے میں دیکھتا ہوں نقشہ ہے الگ

ہر ذرہ میں جمشید وفریدوں ہیں ہزار

سبحان اللہ کہ میری دُنیا ہے الگ " (٦۹)

اس رباعی میں بھی تین مختلف اوزان استعمال ہوئے ہیں۔ پہلے دو مصرے "مفعول مفاعلن مفاعیلن فع " تیسرا مصرعہ "مفعول مفاعیل مفاعیلن فع" جبکہ چوتھا مصرعہ "مفعولن مفعولن مفعولن فعل" کے وزن پر ہے۔

؎ " مرنے جینے میں فاصلہ کتنا ہے

اِک آن کا وقفہ بھی نہیں اتنا ہے

اِک آن اگر وقت کبھی رُک جائے

معلوم یہ ہو جائے کہ یہ جتنا ہے " (۷۰)

اس رباعی کا پہلا مصرعہ " مفعولن مفعولن مفاعیل فعل " کے وزن پر جبکہ دوسرا، تیسرا اور چوتھا مصرعہ " مفعول مفاعیل مفاعیلن فع " کے وزن پر ہے۔

؎ "مے خانہ ہے یہ ساقی کا سایہ ہے جہاں

جام وقدح وشیشہ و مینا ہے جہاں

پیتا ہے شرابِ ناب جو آتا ہے

لفظوں کی نہیں عمل کی دنیا ہے یہاں " (۷۱)

اس رباعی کے پہلے دو مصرے "مستفعلتن فاعلتن فاعلتن کے وزن پر جبکہ تیسرا اور چوتھا مصرعہ "مفعول مفاعلن مفاعیلن فع" کے وزن پر ہے۔

؎ " یہ جو آج ہو رہا ہے ساقی لبِ کشت

یہ یا تو ہے خواب یا ہے ایوان بہشت

پینے کے لیے عمر ہے جو باقی ہے

جی بھر کے پلا پینا ہے آدم کی سرشت " (۷۲)

اس رباعی میں بیک وقت تین مختلف اوزان کا استعمال ہوا ہے۔ پہلے مصرعے میں " مفعولات فاعلن مفاعیلن فع" دوسرے مصرعے میں " مفعول مفاعلن مفاعیلن فعل" جبکہ تیسرے اور چوتھے مصرعے میں " مفعول مفاعیل مفاعیلن فع" کے وزن کا استعمال ہوا ہے۔

بلاشبہ رباعیات میں بحور کا فنکارانہ استعمال قلندر بابا کو ایک مشاق اور قادرالکلام شاعر ثابت کرتا ہے اور ایسا لگتا ہے کہ شعر کے تناظر میں عمر خیام کی طرح وہ بنے ہی رباعیات کی تخلیق کے لیے تھے۔

(ب) صوفیانہ اصطلاحات

دیگر شعبوں کی طرح علم تصوف کی بھی اپنی مخصوص اصطلاحات ہیں۔ یہ اصطلاحات دو طرح کی ہیں علمی اور شاعرانہ۔

دیگر شعرائے متصوفین کی طرح قلندر بابا نے بھی دونوں طرح کی صوفیانہ اصطلاحات کو اپنے مافی الضمیر کی وضاحت کے لیے بہت خوبی سے بطورِ استعارہ و مجاز کے استعمال کیا ہے۔ آپ کی رباعیات میں درج ذیل صوفیانہ اصطلاحات کا استعمال عام ملتا ہے۔

آبلہ، آئینہ، اندھیرا، اختر، آتش، آن، ازل، ابد، اول، آخر، آدم، آفتاب، افلاک، آسمان، اجل، بادہ، بُت، بقا، بہار، بہشت، بیابان، برسات، بصارت، باد، پینا پلانا، پیالہ، پیمانہ، پردہ، جال، جُرعہ، جام، جنت، جہنم، جُز، تقدیر، چہرہ، چشم، حق، حقیقت، حجاب، حال، حرف، حباب، خلق، خیال، خرابات، خرقہ، خلوت، خمار، خانہ، خُم، دُنیا، دوزخ، دام، دَم، دروں، دیدہ، ذات، روشنی، رُخ، رخسار، روز، راز، رات، رنگ، زاہد، زنار، زندگی، زندان، مسافر، ساقی، سبُو، شب، شمع، شیشہ، زندانی، ساغر، شجر، شراب، شام، شبستان، صبح، صبا، صنم، صراحی، عالم، عمر، عدم، عطا، عرش، فنا، قلم، قلندری، قدح، کاسہ، کلیسا، کعبہ، کل، کوزہ، کونین، کتاب، گوہر، لوح، محرم، محبوب، محراب، مہ، ماہتاب، مے، مے کدہ، مے خانہ، مشیت، مینا، موت، مستی، مے خوار، مے نوش، مے کش، نفس، نالہ، نظر، نُور، واعظ، یار، یاد

رباعیاتِ برخیا میں صوفیانہ اصطلاحات کی چند بہترین مثالیں ملاحظہ ہوں۔

ے "ساقی کا کرم ہے میں کہاں کا مے نوش
مجھ ایسے ہزار ہا کھڑے ہیں خاموش
مے خوار عظیم برخیا حاضر ہے
افلاک سے آرہی ہے آوازِ سروش " (۷۳)

ے " کیا لوح وقلم میں ہے تعلق باہم
کیا لوح پہ تحریر ہے واللہ اعلم
البتہ ہے جام سے قلم کا رشتہ
ہے جام ہی نقاشِ ازل کا محرم " (۷۴)

ے "رہنے دے یہیں مست وخراب اے ساقی
مے خانہ کے باہر ہے عذاب اے ساقی
تاریک ہوا خُم کا سایہ لیکن
روشن ہے چراغِ ماہتاب اے ساقی " (۷۵)

(ج) قدیم وجدید تراکیب ومرکبات

ترکیب یا مرکب سے مُراد دو یا تین الفاظ کو ملا کر لفظوں کا ایک با معنی مجموعہ بنانا ہے۔عموماً جو بات شاعر حضرات مفردات کے ذریعے ادا نہیں کر سکتے وہاں وہ مختلف مرکبات سے کام لیتے ہیں۔شاعر کے جذبہ واحساس کے بیان میں خصوصاً اضافت رکھنے والی تراکیب سے شعر کا معنوی حسن دوبالا ہو جاتا ہے۔

قلندر بابا اولیاء نے اپنے ذہن کے پُرفشاں رموز اور دقیق دلالتیں مختلف مرکبات وتراکیب کے سانچے میں ڈھال کر اپنا مافی الضمیر بطریقِ احسن قاری تک پہنچا دیا ہے۔اُن کے ہاں قدیم وجدید تراکیب کا خوبصورت امتزاج ملتا ہے آپ کی رباعیات میں یہ تراکیب جا بجا ملتی ہیں۔جس نے اُن کی رباعیات کی شان وشوکت میں

خاطر خواہ اضافہ کیا ہے۔

قلندر بابا اولیاء کی رباعیات میں مستعمل تراکیب میں مرکباتِ اضافی، مرکباتِ توصیفی اور مرکباتِ عطفی کافی زیادہ ہیں۔ مثلاً غزل خواں، باغِ رضواں جرعۂ مے ناب، مستی وقلندری، دُنیائے طلسمات، گوہرِ نایاب، جامِ سرِ جمشید، خم وسبو، آئینۂ ہستی، ایوانِ بہشت، لبِ کِشت، شبِ برآت، شبِ وروز رفتارِ زمیں، لبِ لعل، گہر بار، شرر بار، سروتاج، غبارِ زرد، زیرِ زمیں، سرِ و بلند، پیرِ مغاں، روزِ ازل، واعظِ ناداں، بادہ وجام، ساعدِ سیمیں، شبِ مہ کا ورق، دل گیر، دَم ساز، کوچہ وبازار، زباں دراز، آوازِ سروش، چراغِ زندگانی، کاسہ گر، کاسۂ سر، ذرات کی مالا، مٹی کا سفال، ماہِ تمام، ماہِ خرام، لوح وقلم، نقاش ازل، کلیسا وکنشت، ساقی ومینا، خم وسبو، کنجِ خراب، رُخ وزلف، ملکِ فنا، خاکسترِ دل، خوشبوئے رُخِ دوست خوشبوئے بدن، سروسمن، حلقہ گیسوئے سیہ، بے پروبال، رخسارۂ لیلیٰ، لب عذرا، بالائے زمین، رُخ وزلفِ نازنین، شرابِ ناب، ذراتِ جبینِ زرفشاں، روئے مہوشاں، کفِ سیمیں، پائے گلفشاں، جام وقدح، شیشہ ومینا، ذکرِ زمین وآسمان، لمحۂ پیچیدہ، کاخِ بلند، متاعِ زیست، اجزائے صراحی، اجزائے شراب، دنیائے طرب، تلخ کام، خیالِ خام، چراغِ ماہتاب، مثلِ حباب، سروقد، سیم بر، زہرہ وش، لالہ رُخ، وادیٔ ایمن، زنّارِ برہمن، سرمستی، ظرفِ مکاں، ظرفِ زماں، رازِ ہستی، صیدِ زبوں، راہِ فنا، دورِ جہاں، وقتِ سحر، منتظرِ ساغر، شبِ غم، مئےِ گل رنگ، طولِ کلام، ملکِ سلیماں، عنوانِ مشیت، اُستادِ قلم، اِک ورقہ کتاب، دوصفحہ کا باب، کتاب وباب، چشم پُرآب، لبِ احمر، رُخِ انور، پائے ساقی، عالمِ روحانی، بعدِ فنا، حالِ زبوں، آتشِ سوزاں، جلے داغ، کون ومکاں، گلِ تر، چراغِ آشیاں، غبارِ خاطر، سردار۔

قلندر بابا کی رباعیات میں مرکباتِ اضافی وعطفی کے خوبصورت استعمال کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

۔ "ذراتِ جبیں زرفشاں بنتے ہیں
ذرات ہی روئے مہ وشاں بنتے ہیں
ذرات ہی باعث ہیں کفِ سیمیں کے
ذرات ہی پائے گلفشاں بنتے ہیں" (۷۶)

ے "خوشبوئے رُخِ دوست ہے پیرہن میں
خوشبوئے بدن ہے جیب اور دامن میں
ہے چار طرف سر وسمن کی محفل
ہے حلقہ گیسوئے سیہ گردن میں " (۷۷)

ے " کل روزِ ازل یہی تھی مری تقدیر
ممکن ہو تو پڑھ آج جبیں کی تحریر
معذور سمجھ واعظِ ناداں مجھ کو
ہیں بادہ وجام سب مشیت کی لکیر " (۷۸)

مندرجہ بالا رباعیات میں ذراتِ جبیں زرفشاں، روئے مہ وشاں، کفِ سیمیں، پائے گلفشاں، خوشبوئے رُخِ، دوست، خوشبوئے بدن، حلقہ گیسوئے سیہ، روزِ ازل، واعظِ ناداں مرکباتِ اضافی ہیں، جبکہ سروسمن اور بادہ و جام مرکبات عطفی ہیں۔

اِسی طرح مرکباتِ توصیفی کی بھی چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

ے " برسات کا موسم آ گیا ہے لبِ جُو
اے پیرِ مغاں کھول دے منہ جامِ سبو
باغوں میں بہار کی فراوانی ہے
کوئل بھی پکارتی ہے کُو کُو، کُو کُو " (۷۹)

ے " مٹی ہی میں دالان ہیں محرابوں کے
مٹی ہی میں بازار ہیں مہتابوں کے
اس خاک میں ہے لالہ رُخوں کی خوشبو
ہیں زیرِ زمیں شہر میرے خوابوں کے " (۸۰)

درج بالا رباعیات میں پیرِ مغاں، لالہ رُخوں اور برسات کا موسم مرکباتِ توصیفی کی مثالیں ہیں۔

ہندو پاک کے معروف پنجابی شاعر پروفیسر ڈاکٹر عادل صدیقی قلندر بابا کی رباعیات کے حوالے سے کہتے ہیں کہ

> "میں اس شاعر کو ذاتی طور پر نہیں جانتا لیکن جب رباعیات کو دیکھتا ہوں تو فنی اعتبار سے ان پر کہیں انگلی رکھنے کی جگہ نہیں ملتی اور معنوی اعتبار سے ایسی کہ شاعرفن کی انتہائی معراج پر نظر آتا ہے۔ میں نے آج تک شاعری کی اس صنفِ سخن رباعی پر ایسا پختہ کام نہیں دیکھا"۔ (۸۱)

حوالہ جات (باب ششم)

۱) محمد احسان الحق پروفیسر، اصولِ تنقید، علمی بک ہاؤس، لاہور، ۱۹۹۲، ص ۔ ۱۰۴

۲) ایضاً، ص ۔ ۱۲۳ ۔ ۱۲۴

۳) الطاف حسین حالؔی مولانا، مقدمہ شعر و شاعری، اُردو بک ڈپو، لاہور، ۱۹۶۲، ص ۔ ۵۱

۴) ابوالاعجاز حفیظ صدیقی، کشاف تنقیدی اصطلاحات، مقتدرہ، قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۸۵، ص ۔ ۱۳

۵) عابد علی عابد سید، اسلوب، ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ، ۱۹۷۶، صفحات نمبر ۵۱، ۵۷، ۷۴، ۹۴

۶) گوپی چند نارنگ، ادبی تنقید اور اسلوبیات، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۸، ص ۔ ۱۴

۷) یاسر ذیشان عظیمی ڈاکٹر، پی ایچ ڈی مقالہ " اُردو کے صوفیانہ ادب کی نشو و نما میں سید محمد عظیم کا حصہ "

۲۰۱۱، ص ۔ ۱۱۲

۸) خیابان اُردو (حصہ دوم) شعبہ اُردو پشاور یونیورسٹی، ۲۰۰۲، ص ۔ ۲۹۰

۹) قلندر بابا اولیاء، رباعیات ، ص ۔ ۶۳

۱۰) ایضاً، ص ۔ ۱۱۱

۱۱) ایضاً، س ۔ ۱۲۳

۱۲) ایضاً، ص ۔ ۱۵۴

۱۳) ایضاً، ص ۔ ۱۴

۱۴) ایضاً، ص ۔ ۷۵

۱۵) ایضاً، ص ۔ ۱۳

۱۶) ایضاً، ص ۔ ۱۵۳

۱۷) ایضاً، ص ۔ ۴۴

۱۸) ایضاً، ص ۔ ۱۴۶

۱۹) ایضاً،ص۔۶

۲۰) ایضاً،ص۔۷۲

۲۱) ایضاً،ص۔۱۴۲

۲۲) خیابانِ اُردو(حصہ دوم)ص۔۳۰۲

۲۳) قلندر بابا اولیاء، رباعیات،ص۔۲۸

۲۴) ایضاً،ص۔۱۶۸

۲۵) ایضاً،ص۔۹۶

۲۶) ایضاً،ص۔۹۵

۲۷) ایضاً،ص۔۱۳۸

۲۸) ایضاً،ص۔۶۶

۲۹) ایضاً،ص۔۱۶

۳۰) ایضاً،ص۔۷

۳۱) ایضاً،ص۔۱۷۹

۳۲) ایضاً،ص۔۴۷

۳۳) ایضاً،ص۔۶۶

۳۴) ایضاً،ص۔۱۶۴

۳۵) ایضاً،ص۔۹۶

۳۶) ایضاً،ص۔۷۲

۳۷) ایضاً،ص۔۱۶۲

۳۸) ایضاً،ص۔۱۶۵

۳۹) انور جمال پروفیسر، ادبی اصطلاحات، نیشنل بک فاؤنڈیشن اسلام آباد، ۲۰۱۹،ص۔۲۲

۴۰) وحیدالدین سلیم مولوی، اُصول وضع اصطلاحات، ترقی اُردو بیورو، نئی دہلی، ۱۹۸۰، ص۔۱۴

۴۱) قلندر بابا اولیاء، رباعیات، ص۔۴۳

۴۲) ایضاً، ص۔۸۲

۴۳) ایضاً، ص۔۹۲

۴۴) ایضاً، ص۔۱۰۱

۴۵) ایضاً، ص۔۱۷۵

۴۶) ایضاً، ص۔۱۰۲

۴۸) ایضاً، ص۔۱۶۷

۴۹) ایضاً، ص۔۱۶۹

۵۰) ایضاً، ص۔۲۶

۵۱) ایضاً، ص۔۶۴

۵۲) ایضاً، ص۔۹

۵۳) ایضاً، ص۔۱۱۲

۵۴) ایضاً، ص۔۱۵۱

۵۵) ایضاً، ص۔۴۷

۵۶) ایضاً، ص۔۹۵

۵۷) ایضاً، ص۔۱۷۴

۵۸) ایضاً، ص۔۸۶

۵۹) ایضاً، ص۔۸۲

۶۰) انور جمال پروفیسر، ادبی اصطلاحات، ص۔۱۲۰

۶۱) قلندر بابا اولیاء، رباعیات، ص۔۸۴

۶۲) ایضاً،ص۔۱۲۷

۶۳) ایضاً،ص۔۱۳۲

۶۴) انٹرویو، نشاط سرحدی (شاعراور ماہرِ علمِ عروض) مورخہ ۳۱ دسمبر ۲۰۱۹، بروز منگل، وقت صبح ۱۱ تا ۱۲ بجے

۶۵) قلندر بابا اولیاء، رباعیات، ص۔۹

۶۶) ایضاً،ص۔۲۴

۶۷) ایضاً،ص۔۵۸

۶۸) ایضاً،ص۔۶۰

۶۹) ایضاً،ص۔۵۷

۷۰) ایضاً،ص۔۱۶۸

۷۱) ایضاً،ص۔۹۵

۷۲) ایضاً،ص۔۲۱

۷۳) ایضاً،ص۔۲۵

۷۴) ایضاً،ص۔۶۵

۷۵) ایضاً،ص۔۱۱۰

۷۶) ایضاً،ص۔۹۴

۷۷) ایضاً،ص۔۷۸

۷۸) ایضاً،ص۔۴۲

۷۹) ایضاً،ص۔۱۰۱

۸۰) ایضاً،ص۔۱۵۲

۸۱) یاسر ذیشان عظیمی، شرح رباعیات من آیات القرآن، رباعیات، ص۔۱۰

حاصلِ تحقیق

اُردو شاعری کے حوالے سے یہ تاثر عام ملتا ہے کہ اس میں گل و بلبل کی کہانیوں ہی کو موضوع بنایا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ پوری حقیقت نہیں ہے۔ حُسن و عشق کے موضوعات اُردو شاعری کا جزو تو ہو سکتے ہیں پر کُل ہرگز نہیں۔

شاعری کا تعلق جذبات واحساسات کی ترجمانی ہی سے نہیں بلکہ یہ انسان کو جینا سکھاتی ہے۔ اُس میں شعور و ادراک پیدا کرتی ہے اُسے اپنی سطح سے بلند کر کے ایک بہتر انسان بناتی ہے۔

شعراء نے اس صنف کو تعمیری، اخلاقی اور مقصدی کاموں میں استعمال کیا اور زندگی سے قریب تر اعلیٰ وارفع موضوعات کو برتا۔ اگر ایک طرف معاشرتی وعوامی مسائل کی جیتی جاگتی تصویریں پیش کیں تو دوسری طرف بیشتر شعراء نے مذہب وتصوف کے پیچیدہ نکات کو بھی موضوعِ سخن بنایا۔ اس طرح اُردو شاعری کا ایک بڑا حصہ علم وحکمت اور پند ونصائح سے معمور ہے۔

بلاشبہ اُردو شاعری ایسے فن پاروں سے بھری پڑی ہے۔ جو ادب میں وقعت اور ایک بلند پایہ مقام رکھتے ہیں۔ خصوصاً اُردو زبان کا ابتدائی دور مذہبی ادب پر مشتمل ہے۔ جس کی بنیاد مسلمان صوفیاء کرام اور مبلغین نے رکھی۔ اُنھوں نے اپنا پیغام پہنچانے کے لیے اپنی عربی، فارسی اور ترکی زبانوں کے ساتھ ہندوستان کی علاقائی زبانوں میں صوفیانہ کلام کی بنیاد رکھی۔ کہیں حمد ونعت ومنقبت سے شاعری کے دامن کو وسعت دیتے ہوئے ایک پاکیزہ اسلامی اور پُر نور فضا پیدا کی تو کہیں اپنے مافی الضمیر کے ابلاغ کے لیے غزل ومثنوی کے ساتھ رباعی جیسی مشکل صنف کو اختیار کیا گیا۔

فارسی رباعی کے زیرِ اثر اُردو رباعی کے فروغ میں بھی صوفیا اور فقراء کا بہت عمل دخل رہا اگرچہ کہ وؔلی دکنی سے لے کر موجودہ دور کے شعراء تک اکثریت نے ضمنی طور پر رباعیات میں طبع آزمائی کی۔ لیکن اس صنف کو مستقل طور پر کسی نے بھی اختیار نہیں کیا۔ کیونکہ رباعی کا فن اتنا آسان نہیں کہ ہر کوئی اس صنف پر مستقل طبع آزمائی کر سکے۔ اس کے لیے صرف موزونیٔ طبع کی رہنمائی کافی نہیں۔ اسی وجہ سے اس صنفِ شعر کو بہت کم برتا گیا۔ نتیجتاً موجودہ دور میں رباعی گوئی کی روایت رفتہ رفتہ دَم توڑتی جارہی ہے۔

اگر چہ مختلف ادوار میں رباعی میں داخلی وخارجی دونوں قسم کے موضوعات کو برتا گیا۔ پھر بھی اُردو و فارسی رباعی میں وہی شعراء زیادہ کامیاب رہے۔ جنہوں نے داخلی موضوعات (تصوف، اخلاق وحکمت، پند ونصائح) وغیرہ پر زیادہ طبع آزمائی کی۔

اس تناظر میں جب ہم صاحبِ مقالہ سید محمد عظیم برخیاؔ المعروف قلندر بابا اولیاء کو بحیثیت ایک رباعی گو شاعر کے دیکھتے ہیں تو ہمیں اندازہ ہوتا ہے کہ چونکہ بنیادی طور پر وہ ایک روحانی ہستی رہے ہیں۔ اس لیے اُن کی نشست و برخاست سے لے کر اُن کی گفتگو تک اور اُن کی بات چیت سے لے کر اُن کی شاعری تک پر اُن کے تصوف اور روحانیت کے اثرات مرتب ہوتے رہے ہیں۔ آپ کی روحانیت کا لہجہ خالص تصوفانہ ہے۔ جو آپ کے صاحبِ حال صوفی ہونے کی شہادت دیتا ہے۔

آپ کے مزاج کی داخلیت خارجی کائنات کو نظر انداز نہیں کرتی۔ بلکہ اُسے اپنے اندر اُتار کر اُسے آفاقی اور کائناتی بنا دیتی ہے۔ آپ کی رباعیات خیال اور فکر کی تمام خوبیاں اپنے اندر رکھتی ہیں جس سے اہلِ بصیرت، ہدایت ورہنمائی حاصل کر سکیں۔

آپ کی رباعیات میں نہ صرف انسان کی اخلاقی نفسیاتی اور سماجی زندگی کی تفصیلات موجود ہیں بلکہ فلسفۂ فنا وبقا کے علاوہ بنی نوع انسان کی فطرت اور حقیقی طرزِ فکر کو اُجاگر کیا گیا ہے۔

قلندر بابا نے تصوف کے بیشتر موضوعات کو اپنی رباعیات کا حصہ بنایا۔ تصوف کے مشکل سے مشکل مسائل کو اُنہوں نے عام فہم انداز سے اس طرح پیش کیا جس سے عام آدمی بھی فائدہ اُٹھا سکے۔

اسلامی تعلیمات اور احکامات کو اپنی رباعیات میں اس طرح سمویا ہے کہ وہ قرآن کی روح معلوم ہوتے ہیں اُنھوں نے کوئی بھی بات قرآن وسنت سے ہٹ کے نہیں کی۔

رباعی اخلاقی اور ناصحانہ موضوعات کے لیے شہرت رکھتی ہے۔ یہ تصوف ہی کا ایک عملی پہلو ہے۔ لامحالہ جو شاعر اخلاق وحکمت اور پند ونصائح کو موضوعِ سخن بناتا ہے۔ یقیناً وہ ایک باعمل صوفی ہے۔

رباعیاتِ برخیاؔ میں کہیں وحدت الوجود وشہود کی فلسفیانہ موشگافیاں ملتی ہیں تو کہیں وہ عرفانِ ذات اور معرفتِ باری تعالیٰ کے ذریعے حقیقت کے متلاشی دکھائی دیتے ہیں۔ کہیں وہ بے ثباتیٔ دنیا کی بات کرتے ہوئے

دُنیا اور اُس کی آسائشوں کو ہیچ و ناپائیدار سمجھتے ہیں اور دُنیا کی وقتی رنگینیوں سے منہ موڑنے اور دائمی زندگی کی طرف راغب کرتے دکھائی دیتے ہیں تو کہیں حقیقتِ عالم کو واضح کرتے ہوئے عبادت و ریاضت اور صبر و قناعت کا درس دیتے ہیں تو کہیں روزِ محشر کی ہولناکیوں کا نقشہ کھینچتے ہوئے اُخروی زندگی کی کامیابی کے لیے اعمالِ صالحہ کی تلقین کرتے ہیں۔

فلسفۂ جبر و قدر کے تحت انسان کو مجبورِ محض اور خالقِ کائنات کے سامنے اپنے اعمال کے لیے ماخوذ سمجھتے ہوئے اُنہیں خلقِ خدا کی نجات اسی میں نظر آتی ہے کہ بندہ اپنی انا اور اپنی مرضی کو ربِ تعالیٰ کی مشیّت کے تابع کر دے۔ اسی میں اُس کی نجات اور بقا ہے۔

راضی ٹک آپ کو رضا پر رکھیے
مائل دل کو ٹک قضا پر رکھیے
بندوں سے تو کچھ کام نکلا نہ اے میرؔ
سب کچھ موقوف اب خُدا پر رکھیے (میر تقی میرؔ)

قلندر بابا کی شاعری میں تصوف کے ساتھ غیر متعین جمالیاتی حوالے بھی ملتے ہیں۔ کیونکہ کوئی بھی شاعر جمالیات کا مخصوص فلسفہ ذہن میں رکھ کر شاعری نہیں کرتا۔ البتہ قلندر بابا کے افکار اور تخیل کی دنیا نہ صرف جمالیات کا ایک پس منظر رکھتی ہے بلکہ اُس کا منظر نامہ بھی جمالیات سے عبارت ہے۔

قلندر بابا کے جمالیاتی احساس کا ایک بڑا ثبوت تو یہ ہے کہ اُنہوں نے صنفِ شاعری میں زیادہ تر رباعیات تخلیق کیں جن میں اُن کا جمالیاتی اسلوب اور حسن کا شعور بھرپور انداز میں ملتا ہے۔ آپ کی رباعیات کا جمالیاتی رنگ توحیدی ہونے کے ساتھ علامتی اور حرکی بھی ہے۔

قلندر بابا نے رباعی کے ذریعے کلاسیکی روایت کو زندہ کیا۔ اپنے تصوفانہ موضوعات کے ذریعے اُنہوں نے ترقی پسند اور جدید دور میں کلاسیکی روایت کا رشتہ عہدِ حاضر سے جوڑا، روایت کا خیال رکھتے ہوئے نئے موضوعات اور نئے رجحانات کے فروغ کا باعث بنے۔

قلندر بابا کی ذات کے منشور سے جو شعاعیں نکلتی رہی ہیں وہ ایک طرف سلسلۂ عظیمیہ کے افکار کو جہت در

جہت نمایاں کرتی رہی ہیں تو دوسری طرف ادبی دنیا میں بھی اُن کی ذات اور اُن کے مکتبۂ فکر کا تعارف نامہ بن کر سامنے آتی رہی ہیں۔ اُن کی شاعری ایک طرف لفظوں کے مادی پیکروں کو رنگ و نور کے سلسلے عطا کرتی رہی تو دوسری جانب لطیف کیفیات کو مناسب لفظیات کے حصار میں محصور بھی کرتی رہی ہے۔ لیکن جب اُنہوں نے ادبی اُفق پر آ کر رباعیات کو اظہار کا وسیلہ بنایا تو محسوس ہوا کہ اُنہیں رباعیات کے حوالے سے تصوف اور دیگر شعبہ ہائے حیات سے متعلق حساس مضامین کے اظہار کے لیے قدرت نے منتخب کیا ہے۔

وہ شاعری کی نبض سے واقف ہیں تبھی اعتدال اور توازن کے دامن پر کہیں بھی اُن کی گرفت کمزور نہیں ہونے پائی۔ اُن کے اعلیٰ و ارفع تخیل میں سادگی و سلاست کے ساتھ گہری معنویت ملتی ہے۔ انسان دوستی کے گہرے احساس کے سبب اُن کے اندر کا کرب اور درد ہمیں اُن کی رباعیات میں جا بجا چھلکتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔

قلندر بابا نے اپنے افکار کی ترویج کے لیے جو پیرایۂ بیان اختیار کیا ہے اُس پر وہ پورے طور پر حاوی ہیں۔ زبان و بیان پر اُنہیں پوری قدرت حاصل ہے۔ درست الفاظ کے انتخاب اور اُن کے مناسب استعمال سے وہ بخوبی واقف ہیں۔ اُنہوں نے اُردو رباعی کو ایک نیا لب و لہجہ اور آہنگ دیا۔ اُنہوں نے داخلی اور قلبی وارداتوں کو مختلف لفظیات، تراکیب، علامات اور استعارات و تشبیہات کے ذریعے اس خوبی سے شعر کے قالب میں ڈھالا ہے۔ جس سے اُن کا فکر، وجدان اور شعور اُن کی ذات تک محدود نہیں رہا بلکہ کائناتی اور آفاقی بن گیا۔

اُنہوں نے اُردو شاعری کو بہت سے نئے الفاظ و تراکیب، رموز و علائم، تشبیہات و استعارات اور صوفیانہ اصطلاحات سے روشناس کروایا۔

رباعی لکھنا مشکل اور دُشوار گزار شاعرانہ عمل ہے۔ غالبؔ کی اُستادی رباعیات ہی کے تناظر میں لغزش سے ہمکنار ہوئی ہے۔ لیکن جب قلندر بابا رباعیات کہتے ہیں تو مشکل سے مشکل بحر بھی اُن کے مافی الضمیر کے سامنے جھکتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔

قلندر بابا کی رباعیات میں مستعمل اوزان کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ زیادہ تر رباعی گو شعراء رباعی کے چوبیس مستعمل اوزان میں سے دو معروف ترین اوزان میں ہی رباعی لکھتے ہیں جب کہ قلندر بابا نے گیارہ اوزان میں رباعیات لکھیں۔ جن میں سے کئی ایک رباعیات ایسی ہیں۔ جن میں بیک وقت تین مختلف اوزان بھی استعمال

کیے گئے ہیں۔اُن کی رباعیات میں مستقل بحور اور اوزان کے ہنر مندانہ استعمال سے جہاں صنفِ رباعی سے آپ کی مکمل واقفیت اور عبور کا پتہ چلتا ہے وہاں اسے سمجھنے والے داد دیے بغیر نہیں رہ سکتے۔

قلندر بابا کے ہاں سوالیہ اور استفہامیہ رباعیات کی ایک خاصی تعداد اس بات کا ثبوت ہے کہ اُن کا ذہن نہ صرف مسلسل غور و فکر میں مصروف رہتا بلکہ وہ عقدہ ہائے زندگی کی کشود اور کائنات کے رازوں اور بھیدوں کی جستجو رکھتے تھے۔ وہ ہاتھ پہ ہاتھ دھرے کسی معجزے کے منتظر نہیں تھے۔ بلکہ حرکت و عمل کو انسان کی بقاء کے لیے ضروری گردانتے تھے۔اُن کے ہاں نا اُمیدی نہیں بلکہ اچھے اور روشن دنوں کی اُمید ہے۔

یوں زبان و بیان کے حوالہ سے بھی آپ اکیسویں صدی کے شعری صوفیانہ ادب میں نمایاں مقام رکھتے ہیں۔قوت مشاہدہ، قرآن وسنت کے گہرے مطالعے اور صوفیانہ پس منظر کی وجہ سے آپ کے کلام میں گہرائی و گیرائی اور فکر وسیع اور ہمہ گیر ہے۔

عمیق اور نامانوس صوفیانہ مضامین کے بیان میں آپ نے ایمائیت، سریّت اور مشکل پسندی سے گریز کیا۔ فنی محاسن کے اعتبار سے آپ کی رباعیات اس قدر معیاری ہیں کہ اُردو شاعری کو امتیاز بخشتی ہیں۔خاص طور پر صوفیانہ شاعری میں ایک منفرد مقام کی حامل ہیں۔

قلندر بابا کی دیگر مطبوعہ وغیر مطبوعہ سب تحریریں وقعت و اہمیت کی حامل ہیں۔ البتہ ہمارے مقالے کا موضوع چونکہ اُن کی رباعیات کا تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ ہے۔لہٰذا اس تحقیق کے بعد اگر اُن کی رباعیات کے حوالے سے انہیں اُردو رباعی کا "خیامِ ثانی" کہا جائے تو یقیناً یہ مبالغہ نہیں ہوگا۔

قلندر بابا نے پانچ سو سے زائد رباعیات لکھیں لیکن طباعت کے لیے رباعیات کی تعداد کم کرنے کا فیصلہ کیا اور اس طرح اُن کی دو سو صفحات پر مشتمل موجودہ کتاب "رباعیات" میں ۱۸۲ رباعیات شامل ہیں جس میں مختلف موضوعات کو اُنہوں نے پوری مہارت، سلیقے اور قرینے سے برتا ہے۔

اس مقالے سے قلندر بابا یا اُن کی رباعیات کا کسی دوسرے رباعی گو شاعر یا اُن کی رباعیات سے مقابلہ یا موازنہ کرنا ہرگز مقصود نہیں۔البتہ دورِ حاضر میں اس صنف کو چونکہ بہت کم وسیلۂ اظہار بنایا گیا ہے تو ایسے میں اگر کوئی شاعر اس مٹتی ہوئی صنف کو از سرِ نو زندہ کرنے کی کوشش کرتا ہے اور اُسے اظہار کا ایک موثر وسیلۂ بناتا ہے تو اُس کی

کاوش کو سراہنا اور اُسے منظرِ عام پر لا کر علم و ادب کا حصہ بنانا لازم ہے کیونکہ ایک طرف تو یہ اُردو رباعیات کی تاریخ کو تسلسل اور ارتقاء سے ہم کنار کرتی ہے تو دوسری جانب ان رباعیات کا وجود نمایاں ہو کر عہد موجود کے شعراء اور ناقدین کی توجہ اپنی طرف مبذول کرنے کے ساتھ اُن لوگوں کو بھی زندگی کی حرارت سے معمور کر سکے گا جن کے لیے اب تک یہ پردۂ اخفا میں رہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ قلندر بابا کی رباعیات کی صورت میں شرابِ عرفانی کا جو چشمہ پھوٹ نکلا ہے وہ راہِ سلوک کے مسافروں کو مست و بے خود کرنے کے ساتھ ساتھ شعر و شاعری کا ذوق رکھنے والوں کی علمی و ادبی تشنگی کو بھی دور کرتا رہے گا۔

کتابیات

بنیادی ماخذ

- قلندر بابا اولیاء، رباعیات، مکتبہ عظیمیہ اُردو بازار لاہور، ۱۹۹۵

القرآن

- مطبع تاج کمپنی لمیٹڈ کراچی، س ن

احادیث

- حدیث جامع الترمذی، ابواب تفسیر، ۲: ۱۳۵، س ن
- حدیث جبرئیل، صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب المعرفتہ ------ ح ابرویت حضرت عمرؓ، س ن
- حدیث ضعیف الجامع الصغیر، جامع الترمذی، ابواب الصوم، س ن
- سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ الموضوعۃ، س ن
- عربی مقولہ، المحدث ابوالفضائل الحسن بن محمد الصفانی الموضوعات، ۱۹۸۰ء
- عربی مقولہ، المحدث ابوالفضال الحسن، الموضوعات، س ن
-

ثانوی ماخذ

- ابوالاعجاز حفیظ صدیقی، کشاف تنقیدی اصطلاحات، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۸۵
- ابونصیر سراج، اللمع فی التصوف، ادارہ تحقیقاتِ اسلامی، اسلام آباد، ۲۰۰۰
- احمد ایثار سیّد، پیامِ مشرق (منظوم اُردو ترجمہ) بنگلور، ۱۹۹۷

- احمد حسین امجدؔ، رباعیاتِ امجدؔ، اعجاز پرنٹنگ پریس، حیدر آباد (دکن)، ۱۹۶۲
- الطاف حسین حالیؔ مولانا، مقدمہ شعروشاعری، اُردو بک ڈپو، لاہور، ۱۹۶۲
- انور جمال پروفیسر، ادبی اصطلاحات، نیشنل بک فاؤنڈیشن اسلام آباد، ۲۰۱۹
- انور سدید ڈاکٹر، اُردو ادب کی تاریخ، عزیز بک ڈپو، اُردو بازار (لاہور)، ۲۰۱۳
- بال مکند عرش ملیسانی، رباعیاتِ سرمد، انڈین کونسل فار کلچرل ریلشنز، نئی دہلی، ۱۹۹۲
- جمیل احمد انجم پروفیسر، تاریخ زبان و ادب اُردو، علمی کتاب خانہ اُردو بازار لاہور، س ن
- جوشؔ ملیح آبادی، جنون وحکمت (رباعیات)، محبوب المطابع برقی پریس، دہلی، س ن
- چشتی یوسف سلیم پروفیسر، تاریخِ تصوف، علماء اکیڈمی لاہور، ۱۹۸۶
- حافظ شیرازی، دیوانِ حافظ، ۱۸۶۳ء
- حامد کاشمیری ڈاکٹر، انتخابات غزلیات میرؔ، قومی کونسل برائے فروغ اُردو زبان، نئی دہلی، ۱۹۸۸
- حیدر علی آتشؔ، کلیاتِ آتشؔ، اُردو مرکز لاہور، ۱۹۶۳
- رضا حیدر ڈاکٹر، اُردو شاعری میں تصوف اور روحانی اقدار، غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی، ۲۰۰۷
- سعیدہ خاتون عظیمی، قرآن اور تصوف، الکتاب پبلی کیشنز، کراچی، ۲۰۰۸
- سلام سندیلوی ڈاکٹر، اُردو رباعیات، نسیم بک ڈپو، لکھنو، ۱۹۶۳
- سید احمد حسن ڈاکٹر، صوفیانہ شاعری میں عشق کا تصور، نکھار پریس لکھنو، ۱۹۸۶
- شبلی نعمانی علامہ، شعرالعجم، مطبع معارف شبلی نعمانی، اعظم گڑھ، ۱۹۴۰
- شکیل الرحمٰن پروفیسر، ادب اور جمالیات، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، ۲۰۱۱
- شکیل الرحمٰن پروفیسر، روشنی کی جمالیات، پنجابی پستک بھنڈار، نئی دہلی، ۱۹۷۷
- شمس الدین عظیمی خواجہ، احسان وتصوف، شعبہ علوم اسلامیہ بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی، ملتان، ۲۰۰۴
- شمس الدین عظیمی خواجہ، تذکرہ قلندر بابا اولیاء، مکتبہ تاج الدین بابا، کراچی، س ن
- شمس الدین عظیمی خواجہ، شرح لوح وقلم، الکتاب پبلی کیشنز، کراچی، ۲۰۰۳

- شمس الدین عظیمی خواجہ، وقت، انصاری بک سنٹر کراچی، ۲۰۱۱
- شہزاد احمد عظیمی، تذکرہ خواجہ شمس الدین عظیمی، الکتاب پبلی کیشنز، نارتھ ناظم آباد، کراچی، ۲۰۱۳
- صابر سنبھلی ڈاکٹر، تمہید دواوین رباعیات جید پریس بلی ماراں، دہلی، ۱۹۹۸
- صابر کلوروی ڈاکٹر (مرتبہ) خیابانِ اُردو (حصہ اوّل)، نیو کلاسک پبلشرز، نوشہرہ، ۲۰۰۲
- صابر کلوروی ڈاکٹر، (مرتبہ) خیابانِ اُردو (حصہ دوم) نیو کلاسک پبلشرز، نوشہرہ، ۲۰۰۳
- صفدر علی بیگ مرزا ڈاکٹر، تصوف اور اُردو کی صوفیانہ شاعری، علمی انجمن دریا گڑھ، نئی دہلی، ۱۹۸۶
- صفی حیدر دانش سید، تصوف اور اُردو شاعری، سندھ ساگر اکادمی، لاہور، ۱۹۴۸
- ضیاء جعفری سید، صبوحی، انجمن ترقی اردو سرحد، پشاور، ۱۹۴۹
- عابد علی عابد سید، اسلوب، ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ، ۱۹۷۶
- عبداللہ سید ڈاکٹر، ارشاداتِ تنقید، سنگ میل، پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۰
- عبدالقادر فا روقی پروفیسر ڈاکٹر، اُردو شاعری اور تصوف، مطبعۃ الوالوفاء الافغانی جامعہ نظامیہ، حیدر آباد، ۲۰۰۹
- عبدالماجد دریابادی مولانا، تصوف اور اسلام، ادارہ دارالمصنفین اعظم گڑھ، س ن
- علی بن عثمان ہجویری سید، کشف المحجوب، اسلامی کتب خانہ اُردو بازار، لاہور، س ن
- علیم صبا نویدی، جہانِ اُردو پبلی کیشنز، چنائی، ۲۰۱۱
- فرمان فتح پوری ڈاکٹر، اُردو رباعی، الوقار پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۷
- فضلِ حق کامل ڈاکٹر، (مرتبہ) فراق گورکھپوری، جمال پرنٹنگ پریس، دہلی، ۱۹۶۷
- قلندر بابا اولیاء، تذکرہ بابا تاج الدین ناگپوریؒ، مکتبہ تاج الدین، کراچی، س ن
- قلندر بابا ولیاء، قدرت کی اسپیس (دیباچہ)، رئیس برادرز، کراچی، ۲۰۰۴
- گوپی چند نارنگ پروفیسر، ادبی تنقید اور اسلوبیات، سنگ میل، پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۸
- محمد احسان الحق پروفیسر، اصولِ تنقید، علمی بک ہاؤس لاہور، ۱۹۹۲
- محمد اقبالؔ، علامہ، کلیاتِ اقبالؔ، عظیم اینڈ سنز پبلشرز لاہور، ۲۰۱۳

- محمد اقبالؔ علامہ،ضربِ کلیم،الفیصل ناشران وتاجران کتب لاہور،۱۹۹۱
- محمد حسین آزاد مولانا،آبِ حیات،اُتر پردیش اُردو،اکادمی،لکھنو،۲۰۰۳
- محمد حفیظ الرحمٰن ڈاکٹر،تصوف اورصوفیا کی تاریخ،سیونتھ سکائی پبلی کیشنز،لاہور،۲۰۱۴
- محمد مصطفیٰ صابری سید،غالبؔ اورتصوف،دارالاشاعت اسلامیہ کولوٹولہ اسٹریٹ،کلکتہ،۱۹۷۷
- مشتاق احمد عظیمی میاں،خانقاہی نظام،مکتبہ عظیمیہ اُردو بازار،لاہور،۱۹۹۴
- میر دردؔ خواجہ،علم الکتاب،المطبع الانصاری،دہلی،س ن
- میر دردؔ خواجہ،دیوانِ درد،مجلس ترقی ادب لاہور،۱۹۸۸
- نثار علی بخاری سید،کلامِ عارف،کراچی،س ن
- نجم الغنی رام پوری مولوی،بحرالفصاحت،قومی کونسل برائے فروغ،اُردوزبان،نئی دہلی،۲۰۰۶
- نصیر احمد ناصر ڈاکٹر،اقبالؔ اور جمالیات،اقبال اکادمی،لاہور،۱۹۸۱
- نصیر احمد ناصر ڈاکٹر،تاریخِ جمالیات،مجلس ترقی ادب،لاہور،۱۹۶۲
- نصیر احمد ناصر ڈاکٹر،جمالیات قرآن حکیم کی روشنی میں،مجلس ترقی ادب لاہور،۱۹۵۸
- واقفؔ خیام الہند پروفیسر،رباعیات عمر خیام، مشورہ بک ڈپو،دہلی،۱۹۶۰
- وحید اشرف ڈاکٹر،رباعی،بشیر وارثی،پبلی کیشنز،حیدرآباد،۱۹۸۷
- وحید الدین سلیم مولوی،اصول وضع اصطلاحات،ترقی اُردو،بیورو،نئی دہلی،۱۹۸۰
- ولی الدین ڈاکٹر،قرآن اورتصوف،دارالندوہ المصنفین،دہلی،۱۹۶۸
- ولی اللہ میرؔ،کاس الکرام،دوست پبلی کیشنز،اسلام آباد،۲۰۱۲
- یاسر ذیشان عظیمی ڈاکٹر،حضور قلندر بابا اولیاء،عظیمی یونیورسٹی پریس،کراچی،۲۰۲۰
- یاسر ذیشان عظیمی ڈاکٹر،شرح رباعیات،من آیات القرآن،معراج الدین پرنٹرز،لاہور،۲۰۰۵

مقالہ جات

- رضا حیدر ڈاکٹر، اُردو شاعری میں تصوف اور روحانی اقدار، غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی، ۲۰۰۷ء
- زاہد ہمایوں، میراثی انیس کے جمالیاتی عناصر (دیباچہ) پورب اکادمی، اسلام آباد، ۲۰۱۶
- وقار یوسف عظیمی ڈاکٹر، سلسلۂ عظیمیہ اور اُس کی علمی و سماجی خدمات، مکتبہ روحانی ڈائجسٹ، ۲۰۰۷ء
- یاسر ذیشان عظیمی ڈاکٹر، صوفیانہ ادب کی نشو و نما میں سید محمد عظیم کا حصہ، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، سیالکوٹ، ۲۰۱۱ء

رسائل و جرائد

- شاہ ولی اللہ دہلوی، رسائل شاہ ولی اللہ دہلوی (جلد اوّل) تصوف فاؤنڈیشن، لاہور، ۱۹۹۹
- ماہنامہ روحانی ڈائجسٹ، کراچی کشف و کرامات، مشمولہ جنوری، ۲۰۱۰
- ماہنامہ روحانی ڈائجسٹ، کراچی، دسمبر ۱۹۸۵
- ماہنامہ روحانی ڈائجسٹ، کراچی، مئی ۲۰۰۳

انٹرویوز

- خواجہ شمس الدین عظیمی (مصنف و روحانی سکالر) مورخہ ۴ اپریل ۲۰۱۹ء، بروز جمعرات، وقت دوپہر ۲:۳۰ تا ۴:۰۰ بجے، کراچی
- رؤف احمد عظیمی فرزند قلندر بابا اولیاء، انٹرویو مورخہ ۲۷ جنوری، ۲۰۲۰، بروزہ ہفتہ، وقت صبح ۱۰ تا ۱۱ بجے، کراچی
- نشاط سرحدی (شاعر اور ماہر علم عروض) مورخہ ۳۱ دسمبر، ۲۰۱۹ بروز منگل، وقت صبح ۱۱ تا ۱۲ بجے، پشاور

لغات

- اُردو انسائیکلو پیڈیا، فیروز سنز، کراچی،۱۹۸۴
- فیروز لغات، فیروز سنز لمیٹڈ، لاہور، ۱۹۷۷ء
- فرہنگ آصفیہ، اُردو سائنس بورڈ، لاہور، ۱۹۹۵ء
- مولوی فیروز الدین الحاج، فیروز اللغات، فیروز سنٹر، کراچی، ۱۹۸۵

بلاگ

- امتیاز رومی، اُردو شاعری میں تصوف، blogspot.com، ۲۰۱۷
- شکیل الرحمٰن پروفیسر تصوف کی جمالیات، پنجند، کام

ویب سائٹ

- www.urdu.com
- www.iseek.urdu.com
- www.rekhta.com